جولائی ۱۹۷۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

وَقَدۡ اَخَذَ مِیۡثَاقَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۲۸ | جولائی ۱۹۷۹ء | عدد ۷

مشمولات

★ عرض احوال - - - - - جمیل الرحمٰن ۱

★ مطالعہ قرآن : نشری تقاریر - - ڈاکٹر اسرار احمد ۸

★ اعجاز قرآن (۲) - - - - محترم غازی عزیر (علی گڑھ) ۷

★ فلسفہ و حکمت کے مسائل
اور قرآن حکیم - - - - پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۲۴

★ آنحضورؐ بحیثیت رحمۃ للعلمین - طارق محمود ۵۵

★ مآثر جمیلہ حضرت ذی النورین - شاہ ولی اللہ دہلویؒ ۶۰

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت : ۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور

(فون : 852683 - 852611)

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اللہ کے جن بندوں کے روز و شب اور بیشتر صلاحیتیں اور توانائیاں دعوت رجوع اِلی القرآن، اعلائے کلمۃ اللہ، تجدید ایمان، توبہ، تجدید عہد میں صرف ہو رہی ہوں، اُن کی خوش بختی کا کیا کہنا! جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی اللہ کے اُنہی بندوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں خدمتِ دین کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے معمولات میں تعلیم و تعلّم قرآن کو اوّلیت حاصل ہے، چنانچہ لاہور میں ہر جمعہ کی صبح کو عموماً ڈیڑھ، پونے دو گھنٹے کا مسجدِ شہداء میں قرآنِ حکیم کے مسلسل درس کا سلسلہ جاری ہے جس میں بحمد اللہ و المِنّہ اکیسویں پارے میں ۲۲ رجون ۷۹ء سے سورۃ الرّوم کے درس کا آغاز ہو گیا ہے۔ مسجد دار السّلام باغِ جناح میں خطبۂ جمعہ کے پہلے خطبے میں آخری پارے کی سورتوں کی تشریح و تفہیم کا جو سلسلہ سورۃ الاعلیٰ سے شروع ہوا تھا، وہ خدا کے فضل سے ۱۵ رجون ۷۹ء کے جمعہ کو سورۃ الکافرون تک پہنچ گیا ہے، اور چونکہ سورۃ الکافرون میں "عبادت" پر انتہائی زور دیا گیا ہے لہٰذا اس حوالے سے از روئے قرآن و حدیث لفظِ عبادت کا جو وسیع تر مفہوم ہے اس پر ۲۲ رجون سے خطاب ہو رہا ہے۔ مسجد دار السّلام نہ کسی بستی میں واقع ہے اور نہ ہی ارد گرد ہی رہائشی علاقے ہیں لیکن بحمد اللہ حضرات و خواتین اس مسجد میں جمعہ ادا کرنے کے لئے جوق در جوق دور دور سے تشریف لاتے ہیں۔ اس مسجد میں جمعہ کو جو رونق ہوتی ہے، اس کو لاہور کے مؤقر روزنامے "نوائے وقت" کے وقائع نگار نے اپنے ایک کالم میں یوں بیان کیا ہے کہ: "ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطبۂ جمعہ میں قرآن بیانی اور اس کی تفہیم کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے، اُس کی بدولت ہر جمعہ میں اس مسجد میں عید کے اجتماع کا سماں نظر آتا ہے"۔ قرآن اکیڈمی میں بالکل ابتدا سے مسلسل درسِ قرآن کا ہر جمعرات کو بعد نمازِ مغرب جو سلسلہ جاری ہے وہ بھی بفضلہ تعالیٰ سورۃ البقرہ کے بائیسویں رکوع تک پہنچ گیا ہے اور امید ہے ان شاء اللہ ... [illegible]

کے درس کا آغاز ہوگا جو پورے کا پورا رونے کی فرضیت اور احکام پر مشتمل ہے
یہ تو ہے ڈاکٹر صاحب کے لاہور کے معمولات کا مختصر ذکر۔ ویسے ڈاکٹر صاحب
کی دعوتی سرگرمیوں میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ حالانکہ درس قرآن
کے معمولات کے ساتھ ساتھ ۲۹ جنوری سے ۷ مارچ ۷۹ء تک ڈاکٹر
صاحب نے لاہور اور بیرون لاہور سیرت النبیؐ کے موضوع پر جو اڑتیس[۳۸]
تقاریر کی تھیں، جن میں سے ہر تقریر تقریباً ڈیڑھ پونے دو گھنٹے کی ہوتی تھی۔ اس
اضافی مصروفیت نے ڈاکٹر صاحب کو مضمحل کر دیا تھا اور اُن کے اعصاب بالکل
جواب دے گئے تھے۔ جس کے پیشِ نظران کا ارادہ تھا کہ کچھ عرصے کے لئے تقریروں
کا سلسلہ بالکل بند کر دیا جائے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا اور مصروفیات
میں کمی ہونے کے بجائے کچھ اضافہ ہی ہو گیا۔ ۲۱ مارچ ۷۹ء کو ڈاکٹر صاحب
بذریعہ تیز گام عازم کراچی ہوئے، جہاں ۲۲ مارچ سے ۲۵ مارچ تک
چھٹی سالانہ قرآن کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا۔ اس کانفرنس کی آخری نشست
میں موصوف نے "اسلام کا معاشی نظام" کے موضوع پر تقریباً ڈھائی گھنٹے ایک
فکر انگیز خطاب کیا۔ اس کانفرنس سے فارغ ہو کر ۲۷ مارچ کو لاہور واپسی ہوئی
اور ۲۸ مارچ سے پھر تعلیم و تعلّم قرآن اور خطابات عام کے سلسلوں کی تجدید
ہو گئی۔ جس کی مختصر اور اجمالی روداد حسبِ ذیل ہے:۔

لاہور: مسجد شہداء اور قرآن اکیڈمی کے ہفتہ وار درسِ قرآن اور مسجد
دارالسّلام کے خطبۂ جمعہ کے علاوہ اپریل سے ۲۴ جون ۷۹ء تک ڈاکٹر
صاحب کی دعوتی سرگرمیاں یہ رہیں:

(ا) موصوف نے NIPA میں "اسلام اور پاکستان"۔ "سیرت النبیؐ" اور
"اسلام کا معاشی نظام" کے موضوعات پر وقفوں کے ساتھ تین لیکچرز دیئے۔ ہر
لیکچر تقریباً دو گھنٹے کا ہوا، ایک گھنٹہ سوالات و جوابات کے لئے مختص رہا۔
NIPA حکومت کا وہ ادارہ ہے جس میں ۱۶ ہفتوں کے لئے حکومت کے مختلف
شعبوں کے اعلیٰ افسران جیسے سیکریٹریز، جوائنٹ سیکریٹریز، کمشنرز، ڈپٹی کمشنرز
اور کلکٹرز وغیرہ کے معیار کے حضرات شرکت کرتے ہیں۔

(ب) پاکستان نیشنل سنٹر الفلاح بلڈنگ لاہور کے زیرِ اہتمام تین تقریبات

میں شرکت کی۔ پہلی تقریب ایک مجلسِ مذاکرہ تھی جس کا موضوع تھا "تحریص ایک سماجی لعنت!" دوسری تقریب ۲۱ر اپریل کو یومِ اقبال کے سلسلہ میں تھی جس کا موضوع گفتگو تھا : "اقبال کا تصوّرِ ریاست!" اس تقریب کی صدارت ڈاکٹر صاحب نے کی۔ تیسری تقریب ۲۳ر جون کو معراج النبیؐ کے سلسلے میں تھی جس میں سینٹر کے ڈائرکٹر صاحب کے بقول صدر، مہمانِ خصوصی اور واحد مقرّر ڈاکٹر صاحب ہی تھے۔

(ج) ۱۲ر اپریل کو اسلامی جمعیت طلبہ حلقہ ماڈل ٹاؤن کے شب بیداری کے پروگرام میں جامع مسجد ای بلاک ماڈل ٹاؤن میں بعد نمازِ عشاء درس قرآن دیا۔ ۱۵ر اپریل کو یثرب کالونی ملتان روڈ میں : تعلیم الاسلام ماڈل اسکول کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی اور : "نئی نسل کے لئے اسلامی تعلیم کی ضرورت" کے موضوع پر خطاب کیا۔ ۱۹ر اپریل کو P.T.V لاہور کے لئے "نظامِ زندگی" کے پروگرام کے ضمن میں : "اسلام میں اقلیتوں کا مقام!" کے موضوع پر ایک تقریر ریکارڈ کرائی — مزید برآں ریڈیو پاکستان لاہور کے لئے اسی عرصہ (اپریل تا جون) "اُمّ الکتاب" کے مستقل پروگرام کے لئے تین نشری تقاریر ریکارڈ کرائیں!

(د) ۲۷ر اپریل کو قرآن اکیڈمی میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے آٹھویں سالانہ اجلاسِ عام کی صدارت فرمائی۔ نیز اس اجلاس کے موقع پر منعقدہ اجتماعِ عام میں بھی : "اسلام کا معاشی نظام!" پر خطاب فرمایا — ۲۸ر تا ۳۰ر ۷۹ء کو تنظیم اسلامی کے چوتھے سالانہ اجتماع کی چار نشستوں کی صدارت کی۔ مزید یکم مئی کو قرآن اکیڈمی میں خواتین کے ایک اجتماع کو خطاب کیا جس میں تقریباً ڈیڑھ سو خواتین نے شرکت کی۔ ۳ر مئی کی شب کو میکلوڈ روڈ پر بھی ایک رفیق کے مکان میں خواتین کے ایک دوسرے اجتماع کو خطاب کیا۔ اسی دن ۳۱ر مئی کو بعد نمازِ عصر فاؤنٹین ہاؤس لاہور کی مسجد میں آیتِ بِرّ کا درس دیا۔ یہ ادارہ دماغی عارضہ کے مریضوں کے علاج و معالجہ کے لئے لاہور کے مشہور دماغی امراض کے ماہر معالج جناب ڈاکٹر رشید چودھری کی زیرِ نگرانی بہت مفید خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ اس درس میں لاہور کے متعدد نامور ڈاکٹر

صاحبان شریک تھے!

۱۱ رمئی کو مسجد شہداء میں "اسلام اور پاکستان!" کے موضوع پر ایک مفصّل تقریر کا پروگرام تھا۔ لیکن ۹ رمئی کو گوجرانوالہ میں منتخب نصاب کے ہفتہ وار درس کی نشست سے رات کو واپسی پر ڈاکٹر صاحب پر شدید علالت کا حملہ ہوا، جس کی وجہ سے ۱۰ رمئی سے ۱۶ رمئی تک پروگرام معطّل رہے!

(۸) ۱۷ رمئی تک طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو اُسی روز سے معمولات کے مطابق ہی پروگراموں کی تجدید ہوگئی۔ چنانچہ اسی شب قرآن اکیڈمی میں درسِ قرآن دیا۔ ۱۸ رمئی جمعہ کو مسجد شہداء میں "اسلام اور پاکستان!" کے موضوع پر ایک مفصّل خطاب کیا، جس میں ملک کے موجودہ حالات کا بے لاگ تجزیہ پیش کرتے ہوئے لوگوں کو دعوت دی کہ اسلام اور پاکستان کے بہی خواہ حضرات کیلئے ضروری ہے کہ اپنی انفرادی زندگیوں میں اسلام کو عملاً قائم کریں اور ہر قسم کے انتخابی سیاست سے دامن بچاتے ہوئے دعوتِ تجدیدِ ایمان، توبہ، اور تجدیدِ عہد پر کمربستہ ہو جائیں۔ یہ اجتماع حاضری کے لحاظ سے تمام سابقہ اجتماعات سے سبقت لے گیا تھا۔ شدید گرمی کے باوجود اس اجتماع کی حاضری محتاط اندازے کے مطابق ایک ہزار افراد سے متجاوز تھی۔ ڈھائی گھنٹے کے طویل خطاب کے بعد ڈاکٹر صاحب نے حسبِ معمول مسجد دارالسلام میں خطبۂ جمعہ دیا اور پھر اسی دن چار بجے عازمِ کراچی ہوئے (کراچی کی مصروفیات آگے بیان کی جائیں گی)

(۹) ۳۱ رمئی کو لاہور کی مشہور اور قدیم درس گاہ ایف سی کالج میں "اسلام اور سائنس بالخصوص مسئلۂ ارتقاء" کے موضوع پر خطاب کیا۔ کالج کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، جن میں تقریباً تمام ہی سینئر اسٹاف ممبرز نیز کثیر تعداد میں طلباء بھی شامل تھے۔ پرنسپل صاحب نے اس مجلس کی صدارت تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے تقریباً دو گھنٹے خطاب کیا، پھر پون گھنٹہ تک سوالات و جوابات کا سلسلہ جاری رہا۔ شرکاء میں سے اکثر حضرات کا تأثر یہ تھا کہ ایسی مُدلّل تقریر انہوں نے پہلے نہیں سُنی ــــ نیز اس تقریر سے بہت سی ذہنی الجھنیں سلجھ گئیں اور بہت سے اشکالات کا ازالہ ہوگیا ــــ ۳۱ رمئی کی شب کو ڈاکٹر صاحب نے مزنگ روڈ کی جامع مسجد میں "کلمہ طیبہ کے لوازم" کے موضوع پر خطاب کیا۔ ۲۲ رجون کو بعد نمازِ عشاء

پاکستان رینجرز ہیڈ کوارٹرز کی جامع مسجد واقع بیرکی روڈ لاہور میں ڈاکٹر صاحب نے معراج النبی کے موضوع پر خطاب کیا۔ اس تقریب میں جلسۂ عام کا سا سماں تھا۔ رینجرز کے تقریباً چھ سات سو افراد شریک تھے۔ تقریباً یک صد حضرات قرب و جوار اور شہر لاہور سے بھی یہ تقریر سننے کے لئے آئے ہوئے تھے۔

گوجرانوالہ: مسجدِ بلال سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ میں ڈاکٹر صاحب نے شروع مارچ میں ہفتہ وار درسِ قرآن کے لئے جانا شروع کیا تھا۔ پہلے یہ پروگرام جمعہ کو بعد نمازِ مغرب ہوا کرتا تھا، لیکن اب یہ ہر بدھ کو بعد نمازِ مغرب ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس میں منتخب نصاب کا درس شروع کر رکھا ہے اور ۲۰ جون کے بدھ کو اس پروگرام میں سورۂ تغابن (مکمل) تک منتخب نصاب کے دروس ہو چکے ہیں۔ اس ہفتہ وار درس میں تقریباً ڈھائی سو حضرات شریک ہوتے ہیں۔ مئی اور جون میں علالت اور کراچی کے دورے کی وجہ سے دو دو ہفتوں کا ناغہ رہا ۔۔۔ الحمدللہ ۲۷ جون کو یہاں سورۂ قیامہ (مکمل) کا درس ہو گیا۔

کراچی: ۸ مئی کو کراچی ایئرپورٹ سے ڈاکٹر صاحب سیدھے شمالی ناظم آباد تشریف لے گئے۔ جہاں انجمن کے ایک مؤسس جناب فیض رسول صاحب کی دختر کے نکاح میں مسجد میں شرکت کی اور "خطبۂ نکاح کی اہمیت" پر مختصر خطاب فرمایا۔ ۲۰ مئی کو راقم الحروف کے خواہر زادہ کی دختر کا مسجد باب السلام میں نکاح پڑھایا اور "خطبۂ نکاح کا ہماری معاشرتی زندگی سے تعلق" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس نکاح کی مجلس میں پانچ سو سے زائد افراد شریک تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا ارادہ تھا کہ وہ اس دورے میں کراچی میں منتخب نصاب کے دروس ایک ایک گھنٹہ کے کیسٹوں کے لئے ریکارڈ کرائیں گے۔ کراچی میں جناب لطف اللہ خاں صاحب نے اس ریکارڈنگ کا انتظام کر رکھا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ پہلے چالیس دروس کے Master cassettes تیار ہو جائیں۔ بعدہٗ ان سے حسبِ منشا تعداد میں کیسٹ تیار کر کے مارکیٹ میں لائے جائیں، لیکن علالت کے سبب ڈاکٹر صاحب پر جو نقاہت طاری تھی اس کی وجہ سے اس دورے میں یہ پروگرام ملتوی کرنا پڑا اور ڈاکٹر صاحب ۲۱ مئی کو سکھر تشریف لے گئے۔ لاہور سے ڈاکٹر صاحب ۹ جون کو دوبارہ کراچی تشریف لے گئے۔ اس دورے میں

۱۰ رجون کو بعد نمازِ مغرب ڈاکٹر صاحب نے تھیوسوفیکل ہال میں "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر ڈھائی گھنٹے خطاب کیا۔ یہ اجتماع بھی حاضری کے لحاظ سے امتیازی شان رکھتا تھا۔ کراچی بھی دوسرے شہروں کی طرح گرمی کی شدید لہر کی زد میں آیا ہوا تھا لیکن بفضلہٖ تعالیٰ حاضری پانچ صد سے بھی متجاوز تھی اور شدید گرمی اور حبس کے باوجود شرکاء نے کامل سکون کے ساتھ پوری تقریر سُنی۔ تقریباً ایک سو حضرات کو بیٹھنے کے لئے کرسیاں نہیں مل سکیں اور ان حضرات نے کھڑے کھڑے یہ پوری تقریر سُنی۔ ڈاکٹر صاحب نے دعوت دی کہ اُن کی اس تقریر کے سلسلہ میں اگر کچھ حضرات کے ذہن میں سوالات پیدا ہوئے ہوں تو وہ ۱۳ رمئی کو نمازِ عصر مسجد خضراء پاکستان سیکرٹریٹ میں ادا کریں جہاں وہ آٹھ بجے موجود رہیں گے۔ اس دعوت پر ساٹھ حضرات نے اس مجلس میں شرکت کی اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ عصر اور مغرب کے مابین اور نصف گھنٹہ بعد نمازِ مغرب سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ جمعرات ۱۴ رجون کو ڈاکٹر صاحب لاہور واپس تشریف لے گئے۔ کراچی میں پانچ روزہ قیام کے دوران ڈاکٹر صاحب نے منتخب نصاب کے سلسلہ وار سات دروس ریکارڈ کرائے۔ ڈاکٹر صاحب ۲۹ رجون کو مزید دروس ٹیپ کرانے کیلئے کراچی جائیں گے۔

سکھر : جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ کراچی سے ۲۱ رمئی کو ڈاکٹر صاحب سکھر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں ۲۲ رمئی کو بعد نمازِ عشاء کمیٹی ہال کے باہر لان میں ایک عظیم الشان اجتماع میں ڈاکٹر صاحب نے مقام صدیقی و مرتبۂ صدیقیت اور فضائل حضرت ابوبکرؓ صدیق پر تقریباً پونے دو گھنٹے خطاب کیا۔

فیصل آباد : زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کی دعوت پر ۲۹ رمئی کو ڈاکٹر صاحب فیصل آباد تشریف لے گئے جہاں یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی زیرِ صدارت "اسلام کا معاشی نظام" کے موضوع پر مفصل تقریر کی۔ شرکاء کی تعداد چار سو سے متجاوز تھی، جن میں طلباء کی کثیر تعداد کے علاوہ یونیورسٹی سے متعلق اسٹاف کے پی۔ ایچ۔ ڈی کی معیاری ڈگری رکھنے والے پروفیسر بھی شامل تھے۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا، اور ڈاکٹر صاحب نے اشکالات کے ازالے کی بھرپور کوشش کی۔

کوئٹہ : کمانڈ اینڈ اسٹاف کالج کوئٹہ کی دعوت پر ۲ رجون کو ڈاکٹر

صاحب کوئٹہ تشریف لے گئے۔ اسی شب کو ڈاکٹر اکبر خاں صاحب پرنسپل بولان میڈیکل کالج کوئٹہ نے ڈاکٹر صاحب کو کھانے پر مدعو کیا، جس میں بعض مقامی معززین سے تبادلۂ خیال ہوا۔ ۳ر جون کو ڈاکٹر صاحب نے کمانڈ اینڈ اسٹاف کالج کوئٹہ میں "اسلام اور معاشرتی تغیرات" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ ڈھائی سو کے قریب حاضری تھی۔ جس میں میجر اور کرنل اور اس سے اوپر کی رینک کے ملٹری آفیسر شامل تھے۔ اس کالج کی خصوصیت یہ ہے کہ تقسیم سے قبل ہندوپاک کے تمام اعلیٰ افسر اسی کالج کے تربیت یافتہ ہوا کرتے تھے اور اب بھی افواجِ پاکستان کے تمام اعلیٰ عہدیدار اسی کالج کے تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ کسی زمانے میں لارڈ ویول اور فیلڈ مارشل منٹگمری اسی کالج میں فوجوں کو تربیت دینے کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تقریر بے حد پسند کی گئی۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ۴ر جون کو بلوچستان یونیورسٹی میں ایک اجتماع میں اسی موضوع (اسلام اور معاشرتی تغیرات) پر تقریر ہوئی۔ اس اجتماع میں تقریباً چار پانچ سو کی حاضری تھی۔ جس میں اکثر شعبہ جات کے سربراہ اور کثیر تعداد میں طلبہ شامل تھے۔

سیرت النبیؐ کی تقاریر کے کیسٹ: سالِ گذشتہ اور امسال سیرتِ مطہرہؐ پر ڈاکٹر صاحب نے کراچی اور لاہور میں جو دس تقاریر کی تھیں، اُن کے سیٹ تیار کرا لئے گئے ہیں۔ یہ تقاریر ۹۰ سی کے گیارہ کیسٹوں میں آ گئی ہیں۔ کیسٹ اعلیٰ کوالٹی کے استعمال کئے گئے ہیں۔ لاگت کے مطابق گیارہ کیسٹوں کی قیمت ڈھائی سو روپے رکھی گئی ہے۔ ڈاک کے ذریعے منگانے پر تقریباً دس روپے محصول ڈاک ہوگا۔ محدود تعداد میں یہ سیٹ دفتر مرکزی انجمن میں موجود ہیں۔

الکتاب: قارئین کو یاد ہوگا کہ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ میں ہر شب کو ڈاکٹر صاحب کی دس منٹ کی تقاریر ٹیلی ویژن پر نشر ہوئی تھیں۔ ہر تقریر میں ڈاکٹر صاحب نے اجمال کے ساتھ ہر پارے کے خاص خاص مضامین کا تعارف کرایا تھا ڈاکٹر صاحب کی یہ تقاریر ہر حلقے میں بے حد پسند کی گئی تھیں۔ معلوم ہوا ہے کہ اب شالیمار ریکارڈنگ کمپنی، پی۔ وی کے اربابِ حل و عقد کی اجازت سے یہ تقاریر کیسٹوں کی صورت میں اس رمضان المبارک سے قبل مارکیٹ میں لانے کی کوشش

مطالعۂ قرآن حکیم

پر مشتمل ڈاکٹر اسرار احمد کی ۲ نشری تقاریر

① اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ۝

سورۂ یونس کی آیات ۷۱ تا ۷۴ کا ترجمہ یہ ہے: "اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو نوحؑ کی سرگذشت سنائیے۔ جب اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ، اے میری قوم کے لوگو! اگر میرا تمھارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات کے ذریعے یاد دہانی کراتے رہنا تم پر بہت گراں گذر رہا ہے تو (کان کھول کر سُن لو کہ) میں نے تو اللہ ہی پر بھروسہ کر لیا ہے۔ تم خود بھی اتفاق رائے سے فیصلہ کر لو اور اپنے (مزعومہ) شرکاء کو بھی شامل کر لو۔ پھر نہ اپنے اس فیصلے میں تذبذب کو راہ پانے دو، نہ مجھے مزید مہلت دو بلکہ کر گذرو جو میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو۔ پھر اگر تم پیٹھ دکھاؤ تو (سوچو کہ) میں نے تم سے کوئی اجر تو طلب نہیں کیا! میرا اجر و ثواب تو بس اللہ ہی کے ذمے ہے۔ اور مجھے تو اسی کا حکم ہوا ہے کہ میں (اللہ کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ پس انہوں نے اس کی تکذیب کی تو ہم نے نجات دی اس کو بھی اور ان کو بھی جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے اور انہی کو ہم نے جانشینی عطا فرمائی اور غرق کر دیا ہم نے ان سب کو جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا تو دیکھ لو کہ جنھیں خبردار کر دیا گیا تھا اُن کا انجام کیا ہوا!

پھر اس کے بعد ہم نے بھیجے بہت سے رسول اپنی اپنی قوموں کی طرف - اور وہ اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے لیکن وہ ایمان لانے والے نہ بنے، اس پر جسے انہوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا- اسی طرح ہم مہر لگا دیا کرتے ہیں اُن لوگوں کے دلوں پر جو حدود سے تجاوز کر جائیں !"

سورۂ یونس اور سورۂ ہود مُصحف میں بھی ساتھ ساتھ وارد ہوئی ہیں اور اُن کا زمانۂ نزول بھی ایک دوسرے سے بہت متصل ہے اور اُن کے مضامین میں بھی نہایت گہری مناسبت پائی جاتی ہے- چنانچہ ان دونوں میں انذار کا رنگ بہت نمایاں ہے اور اُن کو پڑھتے ہوئے بالکل ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اہل مکّہ کو عذابِ الٰہی کے آنے سے قبل آخری بار خبردار کیا جا رہا ہے- اور ان کے زمانۂ نزول کے اعتبار سے یہ بات بالکل مناسبِ حال اور مطابقِ واقعہ بھی تھی- اس لئے کہ یہ سورتیں ہجرت سے متصلاً قبل نازل ہوئی ہیں اور اس وقت آنحضورؐ کو اہلِ مکّہ کو دعوت دیتے پورے گیارہ بارہ سال بیت چکے تھے اور ان پر ہر اعتبار سے اِتمامِ حُجّت کیا جا چکا تھا اور اُدھر کفّارِ قریش کے اعراض و انکار میں بھی اس درجہ شدّت پیدا ہو چکی تھی کہ وہ آنحضورؐ کے قتل تک کا فیصلہ کر چکے تھے- نتیجۃً عذابِ الٰہی گویا اُن کے سروں پر منڈلا رہا تھا- اور انہیں آخری WARNING دی جا رہی تھی- یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سخت صدمے کی کیفیت سے دوچار تھے اور آپؐ پر یکدم بڑھاپے کے سے آثار طاری ہو گئے تھے- چنانچہ دریافت کرنے پر آپ نے واضح الفاظ میں یہ فرمایا کہ : "شَیَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَ اَخَوَاتُهَا" [مجھے سورۂ ہود اور اُس کی بہنوں یعنی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے !] ؛

اس انذار کے ضمن میں سابق انبیاء و رُسُل کے حالات اور اعراض و انکار کی پاداش میں اُن کی قوموں پر عذابِ استیصال کی تفاصیل بیان کی گئی ہیں تاکہ : ع :—— "گفتہ آید در حدیثِ دیگراں !" کے مصداق قریشِ مکّہ کو اپنے انجام کی جھلک دکھا دی جائے- اس ضمن میں سُورۂ یُونس اور سُورۂ ہُود کے مابین ایک عجیب عکسی ترتیب پائی جاتی ہے- یعنی سورۂ یونس میں حضرت نوحؑ کا ذکر صرف تین چار آیات میں ہے جبکہ حضرت موسیٰؑ کا ذکر تقریباً ڈیڑھ رکوعوں پر پھیلا ہوا ہے، جب کہ اس کے برعکس سورۂ ہود میں حضرت نوحؑ کا ذکر بہت تفصیل کے ساتھ ہے اور پورے دو رکوعوں پر مشتمل ہے

جبکہ حضرت موسیٰؑ کا ذکر حد درجہ اجمال و اختصار کے ساتھ ہے۔

سورۂ یونس کی زیرِ درس چار آیات میں حضرت نوحؑ کا وہ قول تفصیل سے نقل ہوا ہے جو گویا اپنی قوم سے آخری اعلانِ براءت ہی نہیں بلکہ انہیں ایک نوع کے چیلنج پر بھی مشتمل ہے۔ یعنی یہ کہ اگر تم اپنے کفر و شرک اور اعراض و انکار پر اس شدّت کے ساتھ قائم ہو کہ اب اپنے مابین میرا وجود بھی تمہارے لئے ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے اور اللہ کی آیات کے ذریعے دعوت و تبلیغ، انذار و تبشیر اور بالجملہ تذکیر کا جو فریضہ میں سرانجام دے رہا ہوں وہ تمہارے لئے حد درجہ ناگوار ہے تو میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں۔ کہ میں نے اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے اور اس کی پناہ پکڑ لی ہے۔ اب تم سب مل جل کر اتّفاقِ رائے کے ساتھ فیصلہ کر لو اور اپنے مزعومہ شرکاء کو اپنی مدد کے لئے پکار لو ــــ اور پھر میرے خلاف جو اقدام کر سکتے ہو کر گزرو! میں تم سے کوئی رعایت تو درکنار مہلت بھی مانگنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کھلے چیلنج کے بعد بھی اُن کی جانب سے کوئی اقدام نہ ہونا کھلا ثبوت ہے اس امر کا کہ اپنے قلوب کی گہرائیوں میں وہ بھی حضرت نوحؑ کی صداقت و حقانیت کے قائل تھے اور اگرچہ آباء و اجداد کی تقلیدِ اعمیٰ اور ضد اور ہٹ دھرمی اور تعصّب و استکبار کے باعث وہ کفر و انکار پر مُصر تھے۔ لیکن اتنی جرأت بہرحال نہ کر سکے کہ رسول کے خلاف کوئی اقدام کر گزریں ــــ چنانچہ اس پر بڑے بلیغ پیرائے میں ترغیباً کہلوایا گیا کہ جب تمہارے قلوب میری صداقت کے گواہ ہیں تو پھر تم کیوں اس اعراض و انکار پر مُصر ہو اور اپنی شامت کو پکار پکار کر دعوت دے رہے ہو۔ ذرا سوچو! میں نے اس دعوت و تبلیغِ حق پر تم سے کوئی اُجرت تو طلب نہیں کی، نہ میں نے تم سے اس خدمت کا کوئی معاوضہ مانگا ہے تو پھر یہ اعراض و انکار آخر کس لئے؟ ــــ اس ضمن میں اس حقیقت کی جانب بھی رہنمائی فرمادی گئی کہ انبیاء و رُسل کی دعوت و تبلیغ کا مرکز و محور، مبنیٰ و مدار کتاب اللہ کی آیات ہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ جیسے حضرت نوحؑ کے ذکر میں الفاظ وارد ہوئے: ــــ "وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ" کے [یعنی میرا یاد دہانی کرانا اللہ کی آیات کے ذریعے] اسی طرح آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حکم ہوا: "فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ" [پس یاد دہانی کرائیے قرآن کے ذریعے سے جسے بھی کچھ خوف ہو میری دھمکیوں کا!]

ایک دوسری عظیم حقیقت جو آیت ۷۲ سے معلوم ہوئی یہ ہے کہ جب کوئی

فردِ نوعِ بشر یا کوئی مجموعۂ افراد ایک بار دعوتِ حق کا انکار کر بیٹھتا ہے تو اس کی نقد سزا اُسے یہ ملتی ہے کہ آئندہ کیلئے اُس میں قبولِ حق کی استعداد میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور جیسے جیسے اس کا اعراض و انکار بڑھتا جاتا ہے اس کی استعداد بھی مزید سلب ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقام آجاتا ہے جسے انگریزی میں POINT OF NO RETURN سے تعبیر کیا جاسکتا ہے:۔ اگرچہ قلوب اس دعوتِ حق کی حقانیت کی گواہی دے رہے ہوتے ہیں لیکن اس کے اقرار و اعتراف کی توفیق نہیں ملتی، اور انسان گویا اپنے ہی بنائے ہوئے پنجرے میں محبوس ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید "ختمِ قلوب" ــــ یا "طبعِ قلوب" کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے! جیسے کہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں فرمایا کہ: "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ [اللہ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے، اور اُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے!] ــــ اور سورۂ انعام کی آیت ۱۱۰ میں فرمایا: "وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ [اور ہم اُن کے دلوں اور نگاہوں کو اُلٹ دیں گے جیسے کہ وہ ایمان نہیں لائے تھے پہلی بار!۔ اور ہم چھوڑ دیں گے ان کو اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے!] ــــ گویا عافیت اور خیریت اسی میں ہے کہ جیسے ہی کوئی چھوٹی یا بڑی حقیقت انسان پر منکشف ہو اور اُس کا دل اُس کی صداقت و حقانیت کی گواہی دے دے، انسان فوراً اس کو قبول کرے اور اس کی تصدیق کر دے ــــ بصورتِ دیگر اس کی قبولِ حق کی استعداد میں کمی واقع ہو جائے گی، اور اس سے عظیم تر حقیقت کے اعتراف کی توفیق بھی اسے نہیں ملے گی۔ یہاں تک کہ وہ وقت بھی آسکتا ہے کہ انسان بالکل ہی مسلوب التوفیق ہو جائے اور کائنات کے عظیم ترین حقائق کا انکشاف بھی اسے اعتراف و اقرار پر مائل نہ کر سکے، اور انسان گویا جیتے جی مردوں میں شامل ہو جائے۔ یعنی اُس کے اندر کا اصل انسان مر جائے اور صرف دو ٹانگوں پر چلنے والا ایک "چوپایہ" باقی رہ جائے ــــ بقولِ الفاظِ قرآنی: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا، وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ [اُن کے دل ہیں پر سمجھ سے عاری، آنکھیں ہیں پر بصارت سے محروم اور کان ہیں پر سماعت سے

لاچار۔ یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے!]

اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجامِ بد سے بچائے اور اپنی حفظ و امان میں رکھے اور اِس کی توفیق مرحمت فرمائے کہ جب اور جیسے ہی کوئی حقیقت ہم پر منکشف ہو ہم بلاپس و پیش اور بغیر توقف و انتظار فوراً اسے قبول کرلیں۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین!

(۲) اَحْمَدُهٗ وَ اُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ ط۔ اَمَّا بَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ ــــــ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ط اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ٥ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ٥ ــــــ یہ سورۂ ہود کی آیات ۱۱۲، ۱۱۳ ہیں اور ان کا ترجمہ یہ ہے: (پس (اے نبی!) جمے رہیں آپؐ بھی جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے اور آپؐ کے وہ ساتھی بھی جنھوں نے رجوع کیا ہے اور ہرگز تجاوز نہ ہونے پائے۔ یقیناً جو کچھ تم کر رہے ہو اُسے اللہ دیکھ رہا ہے۔ اور نہ ہی ان کی جانب کوئی جھکاؤ ہو جنھوں نے ظلم کی روِش اختیار کی، مبادا دوزخ کی آگ تمھیں چھُولے۔ درانحالیکہ نہ ہو تمھارا اللہ کے سوا کوئی حامی اور نہ تمھاری کوئی مدد کی جائے!)

اکثر مکّی سورتوں کے اُسلوب کے مطابق سورۂ ہود کے اِس آخری حصّے میں بھی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جانب خصوصی التفات ہے اور آپؐ کو اور آپؐ کی وساطت سے جملہ اہلِ ایمان کو دعوت و تبلیغِ دین کے ضمن میں اُس زمانے کے حالات کی مناسبت سے ہدایات دی جارہی ہیں جن میں اس سورۂ مبارکہ کا نُزول ہوا اور یہ سلسلۂ مضمون سورت کے اختتام تک چلا گیا۔

زیرِ درس دو آیات میں تین ہدایات وارد ہوئی ہیں: ایکؔ مثبت ہے اور دوسری منفی یا سلبی! چنانچہ پہلی فعلِ امر کی صورت میں ہے اور دوسری اور تیسری فعلِ نہی کی شکل میں۔ مثبت ہدایت یا حکم استقامت کا ہے اور منفی ہدایت اوّلاً اس امر کی کہ مخالفین و معاندین کے جواب میں اہلِ ایمان مدافعت کے ضمن میں بھی کہیں حد سے تجاوز نہ کریں۔ اور ثانیاً اس کی کہ مصائب سے بددل ہوکر کُفر سے مصالحت کی جانب مائل نہ ہوجائیں۔

'استقامت' قرآنِ حکیم کی ایک نہایت جامع اصطلاح ہے اور اپنے مفہوم و معنی میں 'صبر' سے بہت قریب بلکہ بعض اعتبارات سے اس سے بھی زیادہ ہمہ گیر

ہے۔ عربی میں قَامَ ، یَقُوْمُ کے معنی کھڑے ہونے یا کھڑے رہنے اور سیدھے ہونے یا سیدھے رہنے کے ہیں اور باب استفعال میں آنے سے اس میں مبالغہ اور شدّت کا مفہوم پیدا ہوگیا۔ گویا استقامت کے معنی ہوئے پوری قوّت کے ساتھ اور "ہرچہ بادا باد" کی سی کیفیت سے کسی چیز پر جم جانا اور جمے رہنا۔

یہ معلوم ہے کہ سُورۂ ہود مکّی دَور کے اواخر میں نازل ہوئی اور اس وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اہلِ ایمان کی مخالفت انتہائی شدّت اختیار کر چکی تھی، یہاں تک کہ دارالندوہ میں جسے مکّہ کی پارلیمنٹ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قتل کی قرارداد پر اتفاق ہو چکا تھا۔ یہ اُس کا نتیجہ تھا کہ سورۂ ہود کا عام انداز یہ ہے کہ جیسے اللہ کا غضب بھڑک اٹھنے کو ہو اور عذابِ خداوندی کے بند کھلنے ہی والے ہوں۔ چنانچہ خود آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اسی اندیشے کے باعث رنج و غم کی شدّت سے بڑھاپے کے آثار طاری ہوگئے تھے۔ جس کا اعتراف بھی حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استفسار پر آپؐ نے بایں الفاظ کیا: شَیَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَ اَخَوَاتُهَا (یعنی مجھے سورۂ ہُود اور اُس کی بہنوں (یعنی ہم مضمون سورتوں) نے بوڑھا کر دیا ہے!) اِن حالات میں مسلمانوں کو کیسے کچھ صبر و ثبات اور عزم و استقلال کی ضرورت تھی اِس کا اندازہ مشکل نہیں ہے، اور یہ کہنا ہرگز مبالغے پر مبنی نہ ہوگا کہ اس وقت ایمان پر ثابت قدم رہنا دہکتے ہوئے انگارے کو ہاتھ میں پکڑنے کے مترادف تھا! —— چنانچہ یہ ہے وہ پس منظر جس میں: "فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ!" کا تاکیدی حکم نازل ہو رہا ہے کہ اے نبیؐ! آپؐ اور آپ کے ساتھی اہلِ ایمان جمے اور ڈٹے رہیں، اُس پر جس کا آپ کو حکم ہوا ہے!

"كَمَا اُمِرْتَ" کے الفاظ اگرچہ اپنی جگہ وسعت و عمومیت کے حامل ہیں اور اس میں پُورا دین اپنے جملہ اعتقادی و عملی احکام کے ساتھ شامل ہے تاہم اگر "اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا!" کے اُصول کو مدِّنظر رکھتے ہوئے غور کیا جائے تو ایک عجیب حقیقت سامنے آتی ہے —— اور وہ یہ کہ اس سے سب سے زیادہ خصوصیت کے ساتھ مراد خود قرآنِ حکیم ہے۔ اس لئے کہ سُورۂ ہُود کا مُثنّٰی سورۂ یونس ہے جو اس کے متصلاً بعد نازل ہوئی۔ اور اُس میں کُفّارِ مکّہ کا یہ قول منقول ہوا ہے کہ: اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ! [یعنی اے محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) یہ قرآن جو آپ پیش کر رہے

ہیں ہمارے لئے ناقابلِ قبول ہی نہیں ناقابلِ برداشت ہے!] تم یا تو کوئی اور قرآن پیش کرو یا اس میں ترمیم کرو جس کا جواب دلوا دیا گیا: "مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (یعنی میرے لئے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ میں اس میں اپنی مرضی سے ترمیم کردوں۔ میں تو خود پابند ہوں اس کا جو مجھ پر وحی کیا جا رہا ہے اور اگر بالفرض میں اپنے ربّ کی نافرمانی کا ارتکاب کروں تو خود مجھے ایک ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے!) ——— معلوم ہوا کہ انہیں اصل دُشمنی قرآن سے تھی، اور اُن کا کوئی جھگڑا نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ذاتی نوعیت کا نہیں تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ذاتی طور پر تو آنحضورؐ اُن کی بہت درجہ محبوب شخصیت اور بالمبالغہ آنکھوں کا تارا تھے!! لہٰذا مخالفت کے اِس طوفان میں اِسی قرآن کے ساتھ وفاداری کو استوار کئے رکھنے کی ضرورت اوّلین بھی تھی اور اہم ترین بھی۔ یہی سبب ہے کہ اِس مشہور حدیث میں، جس میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بندۂ مومن کے نصح و اخلاص یعنی خیر خواہی و وفاداری کے مرکز گنوائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فوراً بعد ذکر ہے قرآن مجید کا، یعنی جب آپؐ نے فرمایا: "اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ" "دین تو بس نصح اور وفاداری کا نام ہے اور صحابہؓ نے دریافت کیا: "لِمَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟" یعنی حضورؐ یہ وفاداری کس کی؟ تو آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا: "لِلّٰهِ وَلِكِتٰبِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ" (یعنی اللہ کی، اُس کی کتاب کی، اُس کے رسول کی اور مسلمانوں کے ائمہ و اُولی الامر اور عوام سب کی!)

سلبی ہدایات دونوں کی دونوں اسی استقامت کے فقدان یا کمی کے نتیجے میں دو انتہائی صورتوں سے بچنے کی تلقین پر مشتمل ہیں۔ یعنی ایک یہ کہ تشدّد یا مخالفت کے نتیجے میں مغلوب الغضب ہو کر انسان کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے جو حلم و وقار یا مقامِ دعوت و عزیمت کے منافی ہو۔ جیسے جوابی الزام تراشی یا سبّ و شتم، جس سے روکا گیا "وَلَا تَطْغَوْا" کے مختصر لیکن جامع الفاظ سے، اور دوسرے یہ کہ مصائب سے ہراساں یا مخالفت سے مرعوب ہو کر انسان مصالحانہ رَوِش اختیار کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔ گویا کافروں اور مشرکوں کی جانب کسی درجے میں 'جُھکاؤ' کی صورت پیدا ہو جائے جس پر نہایت سختی کے ساتھ مُتنبّہ کیا گیا کہ: "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا" — یعنی

ہرگز مت جھکو ظالموں کی طرف اور شدید وعید سُنائی گئی کہ اگر ایسا ہوگیا تو فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ! - یعنی تم دوزخ کی آگ کی لپیٹ میں آجاؤ گے —— اور اسے مزید مؤکد کیا گیا اِن الفاظ سے کہ: " وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ٥ - یعنی اس صورت میں تمہارا نہ کوئی حامی یا سرپرست ایسا ہوگا جو تمہیں اللہ کی پکڑ سے بچا سکے، اور نہ ہی تمہیں کسی جانب سے کوئی مدد مل سکے گی - اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ ط !!

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ " استقامت و عزیمت " کے فقدان یا کمی کی صورت میں یہی دو طرزِ عمل ہیں جو ممکنہ طور پر پیدا ہو سکتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں آنحضور اور آپؐ کے ساتھی اہلِ ایمان کو اِن دونوں سے بچنے کی تاکید باعادہ و تکرار ہوئی ہے - چنانچہ سُورۂ مُزَّمِّل میں آنحضورؐ سے خطاب ہے: " وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ !" یعنی صبر کرو اُس پر جو یہ کہتے ہیں یعنی جواباً کوئی نازیبا کلمہ آپؐ کی زبان سے نہ نکلے اور سورۂ آلِ عمران میں مسلمانوں سے فرمایا گیا : " وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ط " (تمہیں لازماً سُننی پڑیں گی اہلِ کتاب سے بھی اور مشرکین سے بھی بہت ہی تکلیف دہ باتیں !) - یعنی انہیں باحسن وجوہ جھیلنا ہوگا، اور اِس کی اجازت نہ ہوگی کہ جواباً تم بھی بدگوئی پر اُتر آؤ ! - اِس ضمن میں یہاں تک تاکید فرمائی گئی کہ اُن کے مزعومہ و موہومہ معبودوں کو بھی گالی نہ دی جائے - بلکہ مدافعت بھی ایسے عمدہ طریقے سے کی جائے کہ خود دشمن کا ——————

پتھر دل موم ہو کر رہ جائے - جیسے کہ فرمایا سُورۂ حٰم السجدہ میں کہ : اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ٥ [مدافعت کرو بہترین اور اعلیٰ ترین انداز میں، اِس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آج کے خون کے پیاسے کل کے حامی و مددگار ہی نہیں جان نثار بن جائیں گے - چنانچہ خود اس مقام پر بھی اگلی ہی آیت میں فرمایا گیا کہ : " اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ط (یقیناً بھلائیاں ہی بُرائیوں کا تدارک کرتی ہیں !) —— !!

دوسری بات بھی قرآنِ حکیم میں ابتدا ہی سے واضح کی جاتی رہی تھی - یعنی باطل کی ایک چال یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ حق کو مصالحت کا چکمہ دینے کی کوشش کرتا ہے ، اور صلح کوشی کے نام پر مداہنت کی راہ دکھاتا ہے ، جس کی جانب تنبیہ ملتی ہے سورۂ قلم یا سورۂ

نون میں جو سورۂ مُزّمّل ہی کی طرح بالکل اوائل کی سورتوں میں سے ہے کہ: فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ [یعنی (اے نبی!) آپ ان جھٹلانے والوں کے کہے میں نہ آئیں۔ وہ تو چاہتے ہی ہیں کہ آپؐ ذرا ڈھیلے پڑیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں!] اور اس کے بعد ولید بن مُغیرہ کے قبیل کے لوگوں کے کردار کی پستی کا نقشہ کھینچ دیا گیا جو اس قسم کی مصالحت کی پیشکشوں میں پیش پیش رہتے تھے! ——— یہی بات ہے جو سورۂ کہف میں بھی فرمائی گئی بایں الفاظ کہ: " وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (یعنی اس شخص کی بات پر بالکل دھیان نہ دیں، جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کا اتباع کرتا ہے!) ——— اور سورۂ بنی اسرائیل میں تو واضح فرما دیا گیا کہ اُن کی اِن مصالحانہ مساعی کا اصل ہدف بھی قرآنِ حکیم ہی تھا بفحوائے الفاظِ قرآنی: "وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ [یعنی (اے نبیؐ) ان لوگوں کی پوری کوشش یہ ہے کہ کسی طرح آپ کو بہلا کر اُس قرآن کی جانب سے پھیر دیں جو ہم نے آپؐ پر وحی کیا ہے تاکہ آپؐ اپنی جانب سے گھڑ کر کوئی دوسرا قرآن ہماری طرف منسوب کر دیں اور تب وہ بنا لیں گے آپؐ کو اپنا جگری دوست!] ——— "وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ (اور اگر ہم آپؐ کے قدموں کو مضبوطی سے نہ جمائے رکھتے تو کیا عجب کہ آپؐ مائل ہی ہو جاتے اُن کی جانب کسی قدر!)

اِن آیات میں اہلِ ایمان کے لئے "مَنْ تَابَ مَعَكَ!" کے الفاظ بھی قابلِ توجہ ہیں۔ ایک تو اس اعتبار سے کہ "مَعَكَ" میں صحابۂ کرامؓ کی ایک فضیلت کی جانب اشارہ ہے اور دوسرے اس پہلو سے کہ ایمان بھی درحقیقت ایک قسم کی توبہ ہے یعنی کفر سے اسلام کی طرف رجوع اور توبہ یعنی گناہ سے رجوع بھی حقیقت کے اعتبار سے تجدیدِ ایمان ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی جناب میں خلوصِ دل کے ساتھ توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!— !! وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ضروری اطلاع

تدبّرِ قرآن از جلد اوّل تا جلد ششم مکتبہ مرکزی انجمنؒ لاہور کراچی کے مکتبوں سے دستیاب ہیں۔ قارئین سے نوٹ فرمانے کی درخواست ہے

قسط دوم

اِعجازِ قرآن کی تحقیق و تصدیق

بذریعہ کمپیوٹر

(سلسلہ کے لئے ماہ اپریل ۱۹۷۹ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں)

از: غازی عزیز ٭ محلہ شیخان، اپر فورٹ، علی گڑھ (یو۔پی) انڈیا

خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سب سے اہم اور مقدّم معجزہ قرآنِ کریم کی پہلی آیت ہی میں موجود ہے۔ وہ آیت یہ ہے : بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ ترجمہ : (شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے!) جب کوئی محقّق یا قاری قرآنِ کریم کا مطالعہ کرتا ہے تو سب سے پہلے اس آیت میں قرآن کے

ـلہ کمپیوٹر کیا ہے ؟ اس سوال کا جواب آپ کو مندرجۂ ذیل سطور میں مل جائے گا۔ اِن سُطور میں امریکہ سے شائع ہونے والے مجلّہ ٹائمز کے ایک مضمون کا باختصار ترجمہ پیش ہے۔ اس مضمون کو رووبرٹ جاسٹرو (ROBERT JASTRAW) جو امریکہ کے مؤسّسہ برترسی ہائے فضائی وابستہ بہ ناسا (سازمانِ ملّی ہَوا نَوَرْدی و فضائی)
(NATIONAL AERONAUTICS AND SPACE ADMIN-ISTRATION (NASA) OF AMERICA.)
کے رئیس ہیں، نے لکھا ہے۔ موصوف کا شغل دن رات کمپیوٹرس سے ارتباط ہے۔ چنانچہ موصوف نے اس موضوع پر کئی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ تعارف کے لئے اُن کا یہ مضمون "کمپیوٹر اور انسان کے درمیان جدید روابط!" ہر حیثیّت سے سُود مند ہے۔—
["کمپیوٹر سائنس کی وہ حیرت انگیز ایجاد ہے جو ایک ذی عقل انسان کی مانند سوچ

([illegible])

کلامِ الٰہی ہونے کی ناقابلِ تردید شہادت کو پاتا ہے۔ اِس آیت کے کل حروف کا شمار اُنیس ۱۹ ہے۔ یہ عدد ایک طبیعی حقیقت ہے۔ قرآنِ کریم کے سرسری مطالعہ سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ اِس آیت کا ہر لفظ قرآنِ پاک میں کافی جگہ استعمال ہوا ہے۔ اگر قرآن میں ان الفاظ کے

حاشیہ صفحہ گذشتہ :- سکتی ہے۔ انسان کے پیچیدہ مسائل کا حل منطقی استدلال کے ساتھ بتا سکتی ہے۔ اِس میں فوق العادت قوّتِ حافظہ بھی موجود ہے۔ کھرے کھوٹے اور اچھے بُرے میں تمیز کر سکتی ہے۔ یہ علمِ ہندسہ، علمِ موجودات اور علمِ ریاضی وغیرہ میں بھی مہارتِ تامّہ رکھتی ہے۔ انسان کے سوالات کے صحیح جوابات دے سکتی ہے۔ اس کو شعر گوئی اور موسیقی کے مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ انسان سے اس انداز پر گفتگو کر سکتی ہے کہ اگر اُس کو نہ دیکھا جائے تو کوئی تمیز نہیں کر سکتا کہ وہ کسی انسان سے مخاطب ہے یا کسی مشین سے۔ جس طرح روز بروز ذہنِ انسانی ترقّی پذیر ہے۔ اسی طرح روز بروز اس مشین میں بھی ترقّی و تکامل پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشین بھی انسان کی تقلید کر رہی ہے۔ آئندہ پندرہ ۱۵ سالوں میں علومِ صنعتی (TECHNOLOGY) کی اس ایجاد کی عمدہ سے عمدہ تر اور کامل سے کامل تر شکل ہمارے سامنے ایک نئی زندگی اور ایک نئی مخلوق کی شکل میں موجود ہو گی۔ یہ مشین انسانوں کے ساتھ یا آپس میں دو مشینیں چکرز (CHECKERS) جو شطرنج کی قسم کا ایک کھیل ہے، کھیل سکتی ہیں۔ ڈاکٹر آرتھر ساموئل (DR. ARTHUR SAMUEL) کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ایک کمپیوٹر کے ساتھ چکرز کھیلنے کا اتّفاق ہوا۔ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ مشین انسان سے بہتر سوچ سکتی ہے، اور ہر چال سے پہلے اس کی پیش بینی اور آئندہ برآمد ہونے والے نتائج کو انسان سے بہتر اور جلد تلاش کر سکتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کمپیوٹر کی مہارت اور سُرعت کے باعث مَیں اس مشین سے شکست کھا گیا۔ ڈاکٹر ساموئل وہ شخص ہیں جن کو چکرز کے کھیل میں اتنی مہارت حاصل ہے کہ وہ اس کھیل کا ہیرو (HERO) کہلاتا ہے۔ اُس کا قول ہے کہ آٹھ سالوں تک کوئی بشر مجھے اِس کھیل میں شکست نہیں دے پایا تھا، لیکن مجھے اس مشین نے شکست دی۔ یہ مشین انسانی معاملات میں اکثر برابری کرتی ہے اور بعض میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مقامات کا الگ الگ شمار کیا جائے تو یہ جان کر شاید تعجب ہوگا کہ ان الفاظ کی تعداد اجتماعی انفرادی ہر دو صورتوں میں لازماً عدد اُنّیس[19] کا مضاعف (MULTIPLE) ہیں۔
اِس آیت کا پہلا لفظ 'اسم' ہے جو قرآن میں ٹھیک اُنّیس[19] مقامات پر استعمال ہوا ہے اس لئے عدد اُنّیس[19] کے ساتھ اُس کا مضاعف (۱۹ × ۱ = ۱۹) ہے۔ دوسرا لفظ 'اللہ' ہے جو پورے قرآن میں ۲۶۹۸ جگہ استعمال ہوا ہے۔ یہ عدد اُنّیس[19] کا ایک سو بیالیس[142] کے ساتھ مضاعف ہے (۱۹ × ۱۴۲ = ۲۶۹۸) تیسرا لفظ 'الرحمٰن' ہے۔ قرآن میں یہ ستاون[57] مقامات پر استعمال ہوا جو اُنّیس[19] کا تین کے ساتھ مضاعف ہے (۱۹ × ۳ = ۵۷)۔ چوتھا اور آخری لفظ 'الرحیم' ہے جو تمام قرآن میں ایک سو چودہ[114] بار استعمال ہوا ہے۔ یہ عدد بھی اُنّیس[19] کا چھ[6] کے ساتھ مضاعف ہے (۱۹ × ۶ = ۱۱۴) یہ تو تھی ہر لفظ کے انفرادی صورت میں مضاعف ہونے کی تفصیل۔ اور اب تمام الفاظ کے اجتماعی صورت میں مضاعف ہونے کی تفصیل اس طرح ہے :۔ اگر ان الفاظ کی الگ الگ تعداد کو جمع کر دیا جائے تو حاصل جمع ۲۸۸۸ ہوگا (۱۹+۲۶۹۸+۵۷+۱۱۴ = ۲۸۸۸) اور یہ حاصل جمع عدد اُنّیس[19] کا ایک سو باون[152] کے ساتھ مضاعف ہے (۱۹ × ۱۵۲ = ۲۸۸۸) اگر قرآن کریم کی تمام سورتوں کا شمار کیا جائے تو اُن کی تعداد بھی ایک سو چودہ[114] پائی جاتی ہے۔ جو اُنّیس[19] کا چھ کے ساتھ مضاعف ہے۔ (۱۹ × ۶ = ۱۱۴) ؂

اِن اعداد کی صحت سے متعلق کسی شُبہ کی گنجائش ممکن نہیں۔ اِس بنا پر کہ مفکرینِ اِسلام نے آج سے کافی عرصہ قبل ہی قرآنِ کریم کے تمام حُروف کا شمار کیا تھا، جو کہ اُن کی تصانیف میں[5] موجود ہیں۔ مزید برآں آج کتب میں مذکورہ تمام حروف کے اعداد و شمار

حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔۔۔۔۔۔ انسان پر فوقیت بھی رکھتی ہے، یہ کافی حساس ہوتی ہے، تصمیم بھی کر سکتی ہے۔ اِس مشین سے حاصل شدہ نتائج صحیح، مطلق اور زُود تر ہوتے ہیں۔ نتائج بنانے کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ انسان اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات اِس کے نتائج اتنے پُر پیچ ہوتے ہیں کہ عقلِ انسانی اُن کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ ۱۹۴۶ء سے برابر ہر آٹھ سال کے وقفہ میں اس کی عمدہ تر اور افزائش یافتہ شکل تیار ہو جاتی ہے۔ جلد ہی یہ مشین ایک کامل ترین صورت میں بازاروں میں بآسانی دستیاب ہو سکے گی ۔[1] ۔۔۔۔۔۔ ۱۱؎ (مکمل حاشیہ اگلے صفحے پر)

کی الیکٹرونک کمپیوٹرس کی مدد سے تصدیق کرلی گئی ہے۔ موجودہ کمپیوٹرس نے سابقہ کتب میں مذکورہ بعض اعداد کو غلط بھی ثابت کردیا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں جتنی جگہ لفظ اللہ استعمال ہوا ہے اس کی تعداد کتاب: "المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم" میں ۲۶۹۷ لکھی ہوئی ہے (جو اُنّیس کا مضاعف نہیں ہے) جب کہ الیکٹرونک کمپیوٹر کے ذریعہ حاصل شدہ اُس کی تعداد ۲۶۹۸ ہے (یہ تعداد اُنّیس کا مضاعف ہے) جب دونوں ذرائع سے حاصل شدہ اعداد و شمار کے درمیان فرق واقع ہوا تو اس سلسلے میں مزید تحقیقات کی گئیں جن سے واضح ہوگیا کہ اس کتاب میں ایک لفظ 'اللہ' کے شمار میں سہو ہوا تھا۔ درحقیقت کمپیوٹر سے حاصل شدہ تعداد ہی صحیح تھی۔ اس مختصر بحث سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ قرآن کریم ایک کامل ترین کتاب ہے جس میں غلطی کا قطعی امکان نہیں۔ اگر کوئی غلطی ہوسکتی ہے تو انسان کے سمجھنے میں اُس کی کج عقلی و بشری تقاضے کے باعث ہوسکتی ہے!

خدا تعالیٰ کے اس آخری کلام پر کمپیوٹر کی مدد سے جو تحقیق کی گئی ہے، وہ صرف طبیعی حقائق پر مبنی ہے۔ اُس میں کسی قیاس آرائی، انسانی تشریحات اور مرادِ مطالب کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ قرآن کے اِس مطالعہ میں کمپیوٹر نے اِس کی پہلی آیت میں سے اُنّیس حروف کا شمار کیا اور اسی اُنّیس کو ایک بُنیادی حقیقت اور فارمولا بنا کر یہ ثابت کیا کہ اِس آیت میں استعمال ہونے والا ہر لفظ قرآن میں بار ہا استعمال ہوا ہے۔ لیکن اُن کا الگ الگ شمار اُسی بنیادی حقیقت سے نسبتِ خصوصی رکھتا ہے۔ قرآن کی تعلیم صرف ایک طبقۂ انسانی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام عالم الانس و جنّ کے لئے یکساں عام ہے۔ قرآن کریم کی اس زبردست حقانیت کو اسی مشاہدہ سے اس طرح ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اُن اُنّیس بُنیادی حروف کے شمار کے لئے عربی زبان کے کسی وسیع علم کی ضرورت نہیں بلکہ

مکمل حاشیہ صفحہ گذشتہ: اِس فن سے متعلق چند کتب کے نام یہ ہیں: (۱) بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز (الجزء الاول) تالیف مجد الدین محمد بن یعقوب (المتوفی ۸۱۷ھ) مطبوعہ۔ (۲) المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم تالیف محمد بن فؤد عبد الباقی مطبوعہ لبنان۔ (۳) قرآن کا تعارف تالیف مولانا سید معین الدین صاحب مطبوعہ حیدر آباد (اے۔ پی) (۴) حواشی تفاسیر مختلفہ۔

ایک معمولی حُروف شناس بھی بآسانی کرسکتا ہے۔ کیا یہ طبیعی حقیقت اس امر کو واضح کرنے کے لئے کافی نہیں کہ قرآن اگرچہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے لیکن صرف عربی دان یا عربی النسل حضرات کے لئے مخصوص نہیں ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِن تمام مشاہدات سے ہمارا مُدّعا کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے ناگزیر ہے کہ مندرجۂ ذیل توضیحات پر غور و فکر کیا جائے۔ اس فکر و تدبّر سے جہاں ہم کو اپنے سوال کا جواب مل جائے گا وہیں قرآن کے اعجاز اور محلِّ اعجاز کا بھی علم ہوجائے گا۔ تمام بحث قرآنِ کریم کے حُروف کی تعداد اور اُن کی ترتیب و ترکیب سے متعلق ہے۔ قرآنِ کریم کے ہر حرف کی تعداد اور اُس کی ترکیب و ترتیب ایک خصوصی و معیّنہ ریاضی اُصول و ضابطہ کی پابند ہے یا محض اُن کے درمیان اتفاقی مطابقت پائی جاتی ہے؟ اس سوال کے جواب کی تین ممکنہ صورتیں ذیل میں درج ہیں۔

(۱) کسی مشاہدے میں اس کے اجزاء کے درمیان جُزوی لیکن اتفاقی مطابقت ہوسکتی ہے۔ لیکن قرآن کا معاملہ ایسا منفرد ہے کہ اس پر اس اتفاق مطابقت کا عمومی اصول غلط ثابت ہوجاتا ہے۔ علمِ اعداد و شمار (STATISTICS) میں تھوڑی سی بھی درک رکھنے والا ہر شخص اس حقیقت سے واقف ہے کہ جُزوی مطابقت، اگر محض اتفاق کی بناء پر ہو، تو ایک بار ہوسکتی ہے یا پھر زیادہ سے زیادہ دو بار۔ لیکن تین یا چار بار یا اس سے بھی زیادہ بار، جیسا کہ ہم یہاں قرآن کے مطالعہ میں پاتے ہیں یقیناً نہیں ہوسکتی۔ آپ دُنیا کی بجز قرآنِ کریم، کوئی کتاب اُٹھالیں اور اُس کی ورق گردانی کریں۔ یہ ممکن ہے کہ اُس کتاب کے پہلے جملے کا کوئی ایک لفظ جس میں وہی تمام حروف بجنسہٖ استعمال ہوئے ہوں، اُس کتاب میں بیشتر بار استعمال ہوا ہو[1]۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کتاب میں وہ لفظ جتنے مقامات پر استعمال ہوا ہو ان مقامات کی کل تعداد پہلے جملے میں استعمال ہونے والے تمام حروف کی تعداد سے ایک خصوصی ریاضی نسبت (مضاعفی نسبت) بھی رکھتا ہو۔

اگرچہ ان دونوں شرائط کے ساتھ ایسی کوئی مطابقت بھی شاذ و اتفاقی ہے لیکن اس بات کا بہت کم امکان ہے کہ اُس کتاب میں اُس پہلے جملے کے کوئی دو الفاظ، اُنہی حروف کے ساتھ بجنسہٖ اور اسی خصوصی مضاعفی نسبت کے ساتھ بیشتر بار استعمال کئے گئے ہوں۔ علمِ ریاضیات

[1] یہاں قارئین کو لازم ہے کہ حرف، جملہ اور لفظ کے فرق کو مدّ نظر رکھیں ورنہ زیرِ نظر مضمون کا سمجھنا محال ہوجائے گا۔

کے اسی طبیعی ربط وضبط کی بنا پر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جب دو الفاظ کی اتفاقی مطابقت محال ہے تو تین یا اس سے زائد الفاظ کی اتفاقی مطابقت حتماً ناممکن ہوئی۔ مگر چونکہ قرآن کریم میں اس کی پہلی آیت کے تمام الفاظ، انہی تمام حروف کے ساتھ بجنسہٖ اور اسی متناسب کے ساتھ بیشتر بار استعمال ہوئے۔ اسی لئے علم ریاضی کے اسی طبیعی مفروضہ (PHYSICAL HYPOTHESIS) کا اطلاق اس کتاب پر نہیں ہوتا۔

اس مختصر مباحثہ کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن کریم کے ہر حرف کی تعداد اور اس کی ترکیب وترتیب ایک خصوصی ومعیّنہ ریاضی اصول وضابطہ کی پابند ہے نہ ان کے درمیان مطابقت محض اتفاق کی بناء پر پائی جاتی ہے۔ یہ ماحصل بھی قرآن کو ایک خارق النوعیت کتاب ومعجزہ تسلیم کرنے پر ہر حق پسند کو مجبور کرتا ہے۔ ان حروف کی خصوصی ترتیب وترکیب کا ایک خاصہ یہ ہے کہ ان حروف کے مرکبات سے مختلف ذو معنی الفاظ ان الفاظ کے مرکبات سے ذو مطلب جملے تیار ہوتے ہیں۔ یہ جملے لسانی اعتبار (LINGUIST-ICALLY) سے نہایت معیاری، اعلیٰ اور بلند مقام ہوتے ہیں۔ پس تحقیق کہ قرآن کا محلِّ اعجاز نظم وترتیب کے ساتھ ساتھ معانی ومطالب میں بھی ہے۔

(۲) یہاں پر بعض غیر مسلم حضرات اس شک میں پڑ جاتے ہیں کہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقرّر اندازہ اور ایک مخصوص طریق ومنصوبہ (PLAN) کے تحت قرآن جیسی عظیم کتاب کو ترتیب دیا ہوگا۔ اور بوقت ترتیب اس منصوبہ کا ہر قدم پر لحاظ رکھا ہوگا کہ اس کتاب کا پہلا جملہ انّیس ۱۹ حروف پر مشتمل ہو نیز اس جملے کا ہر لفظ کتاب کے باقی ماندہ حصّے میں اتنی ہی تعداد میں استعمال ہوا ہو کہ جو کسی مخصوص عدد کے ساتھ عدد انّیس کا مضاعف نسبتی ہو۔ اسی بناء پر قرآن کریم کے الفاظ اور ان کی تعداد میں جگہ جگہ مطابقتِ قطعی پائی جاتی ہے۔ ان شکوک وشبہات کے وہی لوگ شکار ہوتے ہیں جو نہیں جانتے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے اور انہوں نے اس سے پہلے نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ ہی کبھی کوئی قلم ہاتھ میں لیا تھا۔ اس امر کی شہادت خود قرآن پاک ان الفاظ میں دیتا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ	(اے نبیؐ!) اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہیں
كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا	پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر

الَّذِیۡ تَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ [۴۵] "اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ جاتے !"
(العنکبوت : ۴۸)

کیا یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جیسا کوئی نانوشتہ و ناخواندہ شخص علمِ ریاضی کا اتنا وسیع العلم، مدبّر اور باریک بین ہو ؟ یقیناً نہیں۔ کیونکہ جب دورِ حاضر، جس کو علوم کی معراج کا زمانہ کہا جاتا ہے، میں یہ ممکن نہیں تو ساتویں صدی عیسوی کے پُر جاہلیت دور میں یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔

اگر ایک لمحہ کے لئے مخالفین کے اس قول کو مان لیا جائے تو آپ خود ہی سوچئے کہ اس ریاضیاتی منصوبے کے مطابق اگر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ کتاب لکھنی شروع کی تھی اور ۲۳ سال تک مسلسل لکھتے رہے تو اس کتاب کی تمام سورتوں (CHAPTERS) بلکہ تمام آیات میں ایک تسلسل، ربط اور تنظیمِ تحریر ہونا چاہئے تھا لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوا۔ قرآنی آیات وقت اور مقام کے اعتبار سے بہت منفصل اور جداگانہ طور پر نازل ہوئی تھیں۔ مثلاً کسی سورۃ کی اگر کچھ آیات آج نازل ہوئیں تو یہ ضروری نہیں کہ وہ سورۃ جب تک پوری نہ ہو جاتی دوسری سورت کی آیات نازل نہ ہوں۔ اکثر مقامات پر ایسا پایا جاتا ہے کہ مختلف سورتیں نامکمّل رہنے کے باوجود بھی نئی سورتوں کی آیات کا نزول ہوا ہے۔ تاریخ اس کی شاہد ہے۔ قرآن کی آیات کے نزول کا جو طریقہ تھا وہ یہ تھا کہ بوقتِ ضرورت خدا تعالیٰ اپنے رسول کو اس ضرورت سے متعلق ہدایات یا تعلیمات یا پیغامات بذریعہ وحی بھیجا تھا۔ جب نزولِ قرآن تکمیل کو پہنچا تو خدا تعالیٰ نے اس کے منتشر اور بلا ترتیب اجزاء کو خود ترتیب دے کر موجودہ حالت میں محفوظ فرما دیا۔ آیاتِ قرآنی کے ضرورت، حالات، اور وقت و مقامات کے اعتبار سے بلا ترتیب نزول بعد ازاں ان تمام کی از سرِ نو ترتیب کو غیر مسلموں کے شکوک و شبہات کی

[۴۵] ابوبکر محمّد الباقلانی لکھتے ہیں : یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اُممِ سابقہ کی کتابوں سے ناآشنا اور اُن کے حالات و واقعات سے ناواقف تھے بایں ہمہ انہوں نے خلقِ آدم سے لے کر اپنے زمانہ تک کے اہم واقعات کو بیان کیا ہے۔ ایسی حالت میں بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ علم اُن کو براہِ راست خدا تعالیٰ سے بذریعہ وحی حاصل ہوا تھا ——— (کتاب اعجاز القرآن)

تکذیب میں پیش کر کے ہم یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنی مصلحت اور منصوبہ کے تحت مکمل و مرتب فرمائی تھی۔ اس کی تکمیل و ترتیب و تخلیق نیز اس کے منصوبہ میں کسی بشر کا کوئی دخل نہ تھا ——————!!

ایک سوال ان مخالفینِ اسلام کے واسطے اور بھی ہے کہ بقول اُن کے، نعوذ باللہ! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کتاب خود لکھی تھی تو اس سے انتفاع خود کیوں نہیں اٹھایا؟ اس کو اپنی عظیم تالیف نہ بنا کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کر دیا؟ قرآنِ کریم کو خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب بتانا یقیناً ان مخالفین کی نگاہ میں یا تو نعوذ باللہ دروغ گوئی ہوئی یا پھر تکبر کی انتہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خود کردہ تصنیف کو کتابِ الٰہی بتا دیا۔ آپ خود ہی سوچیئے کہ جب وہ، نعوذ باللہ اتنے مغرور و دروغ گو تھے تو اپنے مدِّمقابل اہلِ عرب کے درمیان اس کتاب کو اپنی بنا کر پیش کر کے قابلِ تحسین کلمات و خطابات کیوں حاصل نہ کئے؟ اُن جاہل عربوں میں ایک مقامِ بلند حاصل کرنے سے کیوں باز رہے؟ ان تمام سوالات کے جوابات کُتُبِ تواریخ و ذخائرِ اسلامی میں بکثرت موجود ہیں۔ یہاں اُن کے جمع کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں کا آنحضورؐ کی جانب یہ محض لغو اور بے بنیاد الزام ہے کہ وہ دُورغ گو اور متکبر تھے، نعوذ باللہ یقیناً یہ ذخائرِ اسلامی سے لاعلمی کے ساتھ ساتھ تواریخ سے بھی لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمن مؤرخین[1] نے بھی آپؐ کی انتہا درجہ کی صداقت، امانت اور منکسر مزاجی کا اعتراف کیا ہے۔ خود کفارِ عرب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِن خوبیوں کے مدّاح تھے۔

مخالفین یہ بھی کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں کہ: "ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ طرزِ تحریر اپنے جاں نثار صحابہؓ سے پوشیدہ رکھا ہو!" اِسی بناء پر آج تک

---

[1] مثلاً ایچ۔جی۔ویلز (H.G.WELLS.) اور فلپ۔کے۔ہِٹّی (PHILIP.K.HITTI.) وغیرہ یہ وہ غیر مسلم مؤرخین ہیں جنھوں نے اپنی کُتُبِ تواریخ میں آنحضورؐ کی شان میں بیحد گستاخیاں اور ناروا جسارتیں کی ہیں لیکن وہ بھی آنحضورؐ کی اعلیٰ سیرت، بلند پایہ عادات و اطوار اور مثالی کردار بیان کرتے وقت اُن کے خصائلِ طیّبہ کے پُرتحسین اعتراف پر مجبور ہو جاتے ہیں ؂

تلاش وسعیٔ بسیار کے بعد بھی کوئی ایسی کتاب دستیاب نہ ہو سکی جو اس انداز پر عدد کے اس اعلیٰ درجہ ریاضیاتی تناسب کے ساتھ اس سے قبل یا اس کے بعد لکھی گئی ہو۔ اس کے لئے واضح رہے کہ علمِ ریاضی کے عددی تناسب کی یہ تحقیقات ماہ جون[1] ۱۹۷۶ء سے قبل کسی ذہنِ انسانی میں نہ تھیں۔ اس لئے اِس ریاضی منصوبہ کے خالق کا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اتّہام قطعی بے بنیاد اور عدمِ واقعہ ثابت ہو جاتا ہے ؛

(۳) اِن چند منتشر خیالات سے قارئین نے یقیناً یہ اندازہ کر لیا ہوگا کہ اِس معجزنما کتاب کا منصوبہ کار اللہ واحد اور قادرِ مطلق کے علاوہ کوئی نہیں۔ قرآن کو معجزہ ثابت کرنے کے لئے خود اسی آسمانی کتاب میں بے شمار شواہد موجود ہیں۔ اگرچہ ہماری اس مختصر سی کوشش سے بھی اس کا معجز ہونا قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی علمی اعتبار سے یہ تمام کچھ آئسبرگ (ICEBERG) کے ایک سرے (TIP) سے زیادہ حیثیت کا حامل نہیں۔ علمِ ریاضی کی مدد سے اس تحقیق میں قرآن کے بے شمار مضمرات میں سے صرف چند کا احاطہ کیا گیا ہے۔

الیکٹرونک کمپیوٹرس نے وقوع حروف کے شمار کے ذریعے قرآنِ کریم کے پُرپیچ ریاضی قوانین، دقیق نکات اور پیچیدہ اشارات کو جس انداز پر بے نقاب کیا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا ہر لفظ بلکہ ہر حرف اس کتاب میں ایک منصوبے کے تحت نہایت مناسب اور نپی تلی جگہ پر مرصّع ہے۔ اسی بات کو قرآنِ کریم میں اسی طرح بیان فرمایا گیا ہے :

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ (هود : ۱)

ا۔ل۔ر : کتاب ہے جس کی آیتیں پختہ اور مفصّل ارشاد ہوئی ہیں۔ ایک دانا، اور باخبر ہستی کی طرف سے !

اس آیت میں لفظِ کتاب سے مراد نوشتہ یا کتاب ہی نہیں بلکہ احکام اور فرمان بھی ہے۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں : "یعنی اس فرمان میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ پکّی اور اٹل ہیں، خوب جچی تلی ہیں، نری لفاظی نہیں ہے، خطابت کی ساحری اور تخیّل کی شاعری نہیں ہے، ٹھیک ٹھیک حقیقت بیان کی گئی اور اس کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو حقیقت سے کم یا زیادہ ہو .... الخ" (ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ج ۲ صا۳۲۲)

[1] اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو :

مولانا موصوف کی اس تشریح کے خط کشیدہ الفاظ واقعی قابلِ غور اور اس حقیقت کی توثیق کے لئے کافی سے زیادہ ہیں۔

تکمیلِ قرآن کا یہ الٰہی منصوبہ اس قدر پُرپیچ اور پُرحکمت ہے کہ اِس کا مکمل طور پر سمجھنا اور اس کے مقابل کوئی دوسری کتاب تیار کرنا ہر بشر کے قبضۂ قدرت سے باہر ہے۔ اسی بات کو قرآنِ کریم کھلے چیلنج (CHALLENGE) کی شکل میں بار بار دُہراتا ہے[۱]۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ	کہہ دو کہ اگر انسان اور جنّ سب کے سب
عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا	مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش
الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ	کریں تو نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب ایک
كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ؕ	دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں !

(بنی اسرائیل : ۸۸)

کُفّار و مشرکین کی طرف سے اِس چیلنج کو غلط ثابت کرنے کے لئے اگرچہ بہت کوششیں کی گئیں[۲] لیکن سب کی سب ناکام ہو کر رہ گئیں۔ اور آج تک کوئی شخص قرآنِ کریم کی ایک آیت کے مثل بھی کوئی دوسری چیز پیش نہ کر پایا۔ پس کیا یہ دلیل قرآن کے عین معجزہ ہونے کے لئے کافی نہیں ؟ قرآن کے اس معجزہ کا پروفیسر گِب (PROF. GIBB) نے بھی بہت تحسین آمیز الفاظ میں اعتراف کیا ہے[۳]۔

مکمل حاشیہ صفحہ گذشتہ : اس قسم کی پہلی کوشش امریکہ کے ایک مقام ٹکسن ایری زونا (TUCSON-ARIZONA) میں ماہ جون ۱۹۷۶ء میں ہوئی تھی۔ اگرچہ یہ بہت مختصر اور ناکافی تھی۔ مگر پھر بھی اس کو اپنی نوعیت کی ایک اہم اور بنیادی کوشش کہا جا سکتا ہے ! ؂

[۱] اسی مضمون کے مشابہ احکامات سورۂ بقرہ رکوع ۳، سورۂ یونس رکوع ۴، سورۂ ہود رکوع ۲، اور سورۂ طور رکوع ۲ میں بھی مذکور ہیں ؂

[۲] یہ امر واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مقابلے کی دعوت دی تھی۔ اِس لئے کہ خود قرآنِ کریم کی کئی آیات اِس کی شاہد ہیں۔ (کتاب اعجاز القرآن للامام الباقلانی ص۸، ۱۰، ۲۲، ۴۳)

[۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ میں ہی کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے جو یا تو نبوّت کے مدّعی تھے یا پھر قرآنِ کریم کے مقابلے میں اپنا کلام پیش کرتے تھے۔ انہی میں سے ایک نضر بن حارث تھا جو تواریخ مکّہ میں رہتا تھا، وہ مدّعیٔ نبوّت تو نہ تھا مگر شاہانِ عجم کے قصّے (باقی اگلے صفحہ پر !)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :— بیان کیا کرتا تھا اور بزعمِ خود اِن قصص کا مقابلہ قرآنِ کریم میں مذکور انبیائے سابقین و اقوامِ سلف کے واقعات سے کرتا تھا (سیرت ابنِ ہشّام مطبوعہ گوٹنگن ص ۱۹۱ ج ۱ سنہ طباعت ۱۸۶۰ء) مدّعیانِ نبوّت میں سب سے زیادہ معروف مسیلمہ بن حبیب تھا جو حنیفہ یمامہ کا سردار تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکرکشی کر کے اسے ختم کر دیا۔ اس کے جو بھی اقوال موجود ہیں، وہ سب یا تو قرآنِ کریم کی نقل ہیں یا پھر ادبی و علمی محاسن سے بالکل عاری۔ (تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۹۵ تا ۱۷۹۸، ۱۹۱۵، ۱۹۲۰ تا ۱۹۲۹، ۱۹۴۹ تا ۱۹۴۹ اور سیرت ابن ہشام ص ۹۴۵ تا ۹۴۶)۔ امام الباقلانی لکھتے ہیں کہ مسیلمہ اور دوسرے مدّعیانِ نبوّت کے کلام کے جو نمونے ملتے ہیں وہ اس قدر کم مرتبہ کے ہیں کہ کوئی بھی سنجیدہ آدمی انہیں قرآن کے مقابلہ میں پیش نہیں کر سکتا۔ (اعجاز القرآن ص ۱۲۸) دوسرے مدّعیان کے نام اس طرح ہیں (۳) عبہلہ بن کعب از الاسود العنسی ذو الخمار (تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۷۹۵ تا ۱۷۹۸، ۱۸۵۲، ۱۸۶۸ تا ۱۸۷۰، ۱۸۷۱ تا ۱۸۸۱، ۱۹۹۷ تا ۲۰۰۱، اور سیرت ابن ہشام ص ۹۶۴) (۴) سجاح بنت الحارث از بنی تمیم (تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۹۱۰، ۱۹۱۱ تا ۱۹۲۱، ۱۹۳۰) (۵) طلیحہ بن خویلد از بنی اسد (تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۸۸۵ تا ۱۸۸۸، ۱۸۹۰ تا ۱۸۹۳، ۲۲۵۸ تا ۲۲۶۵، ۲۲۷۷، ۲۳۲۷ تا ۲۳۲۹ اور ابن ہشام ص ۴۵۲) دوسری صدی ہجری میں مدعیان : (۶) ابن المقفع (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) (۷) بشار بن برد (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بشار) (۸) صالح بن عبد القدوس (گولڈ ظہر ج ۲ ص ۱۰۰ تا ۱۲۹ اور نکولسن لٹریری ہسٹری ص ۳۷۴) (۹) عبد الحمید (ابن خلکان ج ۲ ص ۱۳۷ اور مروج الذہب للمسعودی ج ۶ ص ۸۱) دوسری صدی ہجری کے ان مدّعیان میں تمام باکمال اہلِ قلم تھے یا باکمال شاعر۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اپنی مجلسوں میں قرآن کریم پر اعتراضات کیا کرتے تھے اور اکثر معارضہ کی کوشش بھی کرتے تھے۔ مدّعیانِ نبوّت کی فہرست میں مندرجہ ذیل تین اشخاص کے نام بھی قابلِ ذکر ہیں :- (۱۰) ابو الطیب المتنبیؔ (نکلسن لٹریری ہسٹری ص ۳۰۴ تا ۳۱۲ بروکلمان ج ۱ ص ۸۶-۸۸) (۱۱) قابوس بن دشمگیر (یتیمۃ الدّھر للثعلبی ج ۳-۷ الآثار الباقیہ (مقدّمہ البیرونی) تاریخ طبرستان لابن اسفندیار (۱۲) ابو العلاء المعرّی (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ابو العلاء طہ حسین، ذکری ابی العلاء مطبع عبد العزیز میمن راجکوٹی و مطبوعہ مصر۔ ابو العلاء و ما الیہ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۴۴ھ) ان میں سے ہر ایک اپنے وقت کا یا تو بہترین نثر نگار تھا یا بہترین

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

یہ مشاہدہ نہ صرف یہ ثابت کرتا ہے کہ قرآنِ کریم خدا تعالیٰ کا کلام ہے بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس میں آج تک کبھی نہ کوئی ترمیم ہوئی ہے اور نہ ہی تخفیف و اضافہ۔ اور یہ بھی کہ قرآن اصل حالت میں آج بھی محفوظ ہے۔ اس لئے جب ہم تلاوت کرتے ہیں : قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (الاخلاص ۱۱۲ : ۱) : "کہو وہ اللہ یکتا ہے !"۔ اس میں موجود لفظ "اللہ" بھی قرآنِ کریم کے لفظ "اللہ" کے ۲۶۹۸ مقامات میں سے ایک ہے۔ اس کا بھی باقاعدہ شمار کیا گیا ہے اور یہ اپنی اصل حالت میں اپنی مخصوص جگہ پر موجود ہے۔ اِسی طرح جب ہم اِس کے آگے : اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ (الاخلاص : ۲) : "اللہ سب سے بے نیاز ہے !" پڑھتے ہیں تو اس کا بھی باقاعدہ شمار کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی بھی ایک لفظ کو کسی دوسرے لفظ سے بدل دیا جاتا یا ان میں سے کسی لفظ کی تعداد میں تخفیف یا اضافہ کر دیا جاتا تو یقیناً لفظ "اللہ" کی تعداد ۲۶۹۸ باقی نہ رہتی۔ اس سے ہم دو نتائج اخذ کر سکتے ہیں (۱) تمام بنی نوع انسان کے لئے قرآنِ کریم ہی واحد اللہ کا کلام ہے (۲) قرآنِ کریم خدا تعالیٰ کی دائمی اور قطعی محفوظ کتاب ہے۔ اُس تعالیٰ نے باقاعدہ اس کی حفاظت

حاشیہ صفحہ گذشتہ :- شاعر۔ اسی بنا پر ان میں سے ہر ایک قرآن پر معارضہ کی کوشش کرتا تھا لیکن یہ تمام روائتیں ایک ہی نکتے پر ختم ہوئیں اور وہ یہ ہے کہ باوجود عرصۂ دراز کی کوشش کے ان میں سے ہر ایک کو ہار ماننی پڑی اور کوئی چیز جواب میں پیش نہ کر سکے۔ امام الباقلانی اور دوسرے چند محققین لکھتے ہیں کہ : "اگر واقعی قرآن کا جواب مدّعیانِ نبوّت کے بس کی بات ہوتی تو کیا یہ قرینِ قیاس نہ تھا کہ وہ تمام مصائب پر اس کو ترجیح دیتے۔ ایسی صورت میں عجز اس کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ باوجود صاحبانِ فصاحت و بلاغت ہونے کے قرآن کا جواب اُن کے بس میں نہ تھا !" (کتاب اعجاز القرآن صفحہ ۲۵، مواقف، منھاج التحقیق)

۱ قرآن مجید پیغمبرِ اسلام (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی اپنی تصنیف تھی تو پھر دوسرے لوگ بھی اس کی مثال لا سکتے۔ سارے قرآن مجید کی مثل کو چھوڑیئے صرف دس آیات بھی قرآن مجید کے مقابلے میں کوئی آج تک نہ لا سکا (جیسا کہ قرآن مجید کا دعویٰ ہے) اور یہ حقیقت ہے کہ آج تک اس چیلنج کو ساری دنیا میں کسی نے بھی قبول نہ کیا۔ پھر سب دُنیا کو یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ یہ قرآن مجید کا عظیم معجزہ ہے جس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی !" (دینِ محمدیؐ مصنفہ پروفیسر گِب صفحہ ۳۳ مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء بحوالہ اخبار الجماعت کراچی مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۶۲ء)

کی ہے اور تا قیامت کرتا رہے گا جیسا کہ اس نے وعدہ فرمایا ہے :

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر : ۹)	فرمایہ ذکر تو ہم نے اِس کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں !

کیا قرآنِ کریم میں عدد اُنیس ۱۹ بھی اپنی کسی خصوصی اہمیت و معنویت کا حامل ہے؟ اِس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں ہے - عدد اُنیس ۱۹ کو صریح طور پر سورۃ المدثر میں بیان کیا گیا ہے - قرآنِ کریم میں اس عدد کا کچھ ذکر منکرینِ قرآن کے غلط دعاوی کی تکذیب میں ہوا ہے - اِن منکرین کا دعویٰ تھا کہ قرآن مخلوق کی تخلیق ہے - اس سے متعلق سورۂ مدثر کی گیارھویں آیت سے تیسویں آیت کے درمیان خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے :

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ (المدثر : ۱۱ تا ۳۰)	چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا، بہت سا مال اُس کو دیا اُس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیئے اور اس کے لئے ریاست کی راہ ہموار کی، پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں ہرگز نہیں- وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے - میں تو عنقریب اسے ایک کٹھن چڑھائی چڑھواؤں گا - اُس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی، تو خدا کی مار اس پر کیسی بات بنانے کی کوشش کی، ہاں خدا کی مار اُس پر کیسی بات بنانے کی کوشش کی - پھر (لوگوں کی طرف) دیکھا، پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا، پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا آخر کار بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے، مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، یہ تو ایک انسانی کلام ہے - عنقریب میں اِسے جہنم میں جھونک دوں گا

اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دوزخ ؟ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے، کھال جلس دینے والی، اُنّیس[19] کارکن مقرر ہیں[1] !"

ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ آیتیں ایک منکر ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں جس نے قرآن کی نسبت گستاخانہ کلام کیا[2] تھا !" تمام مفسّرین قرآن مجید کی سورۃ المدّثر کی آیت عنٰ۳۰ سے بالاتّفاق یہی ثابت کرتے ہیں اُنّیس[19] عدد ملائکہ جہنّم کے نظم و نگہبانی پہ اور سزا دینے پر مقرر ہیں[3]۔ اِس سورۃ میں واضح طور پہ یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ قرآنِ کریم کو تخلیقِ انسان بتاتے ہیں وہ جہنّم کے دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔ جہنّم میں اُنّیس[19] فرشتے ایسے دروغ گو لوگوں سے ان کے غلط دعوں کا حساب لیں گے، مراد ان کو سزا دینے پر مامور کئے جائیں گے۔

بعض مفسّرین لکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی سورۃ المدّثر کی اِن آیات (۱۱ تا ۳۰) کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ایک معنی خیز نتیجہ برآمد ہوتا ہے جو بیّن طور پر اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے کہ اِس تیسویں آیت میں استعمال کیا جانے والا عدد اُنّیس[19] "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ہ" کے اُنّیس[19] حروف کی طرف ہی ایک اشارہ[4] ہے !

---

[1] مولانا عبداللہ یوسف علی صاحب: قرآن کے انگریزی ترجمے اور اُس کی تفسیر میں اس عدد انّیس[19] کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں کہ یہ عدد غیر منقسم ہے اور اس کو ایک فارمولا (FORMULA) کے ذریعے سمجھایا جا سکتا ہے یعنی (۷ + ۷ + ۵ = ۱۹) پھر موصوف ان اعداد یعنی سات سات اور پانچ کی تحقیق میں لکھتے ہیں : ہر انسان میں احساس کی پانچ قوّتیں موجود ہوتی ہیں، اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے : اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق-۱۲) : "اللہ وہ ہستی ہے جس نے پیدا کیا سات آسمانوں کو اور زمین کو اسی مثل !" یعنی آسمانوں اور زمین کی تہوں کی تعداد سات سات ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان اپنے اطراف میں چودہ[14] تہوں کے خارجی اثرات محسوس کرتا ہے۔ اور چونکہ اُس کی اپنی دنیا کو اس کے قوائے احساس کی بنیاد پر مختلف پانچ حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے عادات و اطوار کو کنٹرول (CONTROL) کرنے والے مدارج کو اس طرح انّیس کی تعداد میں شمار کیا جا سکتا ہے !"

[2] ملاحظہ ہو حمائل شریف صفحہ ۹۱۹ ; [3] معالم التنزیل، روح المعانی و تفسیر ابن جریر وغیرہم:

[4] ملاحظہ ہو انگریزی ترجمہ قرآنِ کریم بنام "دی گلوریس قرآن" از رشد خلیفہ (مطبوعہ یو۔ایس اے)

اگر ہم قرآن کی آیات کی ترتیب نزول کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے سورۃ العلق کی چند آیات نازل ہوئی تھیں۔ اتفاقاً اس سورۃ کا شمار قرآن کریم میں موجودہ سورتوں کی ترتیب کے مطابق اختتام کی جانب سے اُنیسواں[۱۹] ہے، اور اس سورۃ میں اُنیس ہی آیات ہیں۔ جب جبرائیل علیہ السّلام نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس دوبارہ[۲] تشریف لائے تو سورۃ القلم کی چند ابتدائی آیات ساتھ لائے۔ تیسری[۳] بار جبرئیل علیہ السّلام سورۃ المزّمّل کی چند آیات کے ساتھ نازل ہوئے اور چوتھی[۴] بار وہ سورۃ مدّثر کی تیس ابتدائی آیات ساتھ لائے جس میں کہ لفظ "اُنیس[۱۹]" استعمال ہوا ہے۔ سورۃ المدّثر کے اس لفظ اُنیس والی آیت[۱] کے نزول کے فوراً بعد اُنیس حروف والی آیت یعنی: "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۝" پھر نازل ہوئی۔ مفسّرین قرآن بالاتفاق اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السّلام جو پہلی مکمّل سورۃ لے کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نازل ہوئے تھے، وہ سورۃ الفاتحہ تھی۔ اِس سورۃ کی ابتداء اُنیس حروف پر مشتمل آیت: "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۝" سے ہوتی ہے۔

بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی اس میں کوئی خاص مصلحت ہے کہ یہ ریاضیاتی کوڈ (MATHEMATICAL CODE) جو ہمیں قرآن کی پہلی آیت سے حاصل ہوتا ہے، مزید پوشیدہ نہ رہے، بلکہ عالمِ انسان کے سامنے ایک روشن دلیل بن کر اُبھرے اور قرآنِ کریم کی حقّانیت اور اس کا اعجاز ثابت کر دے۔ اِس طبیعی اور غیر اختلافی معجزہ کا زیادہ تر حصّہ ہم کو حروفِ مقطّعات[۲] میں ملتا ہے، جن سے قرآن مجید کی اکثر سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ ایک معلوم بات ہے کہ عربی زبان کے حُروفِ تہجّی کے ٹھیک نصف[۳] حروف (چودہ[۱۴] حروف) قرآنِ کریم کے مقطّعات کے مختلف چودہ سیٹ (SETS) کی تعمیر میں استعمال ہوتے ہیں۔ اِن حروفِ مقطّعات سے قرآنِ کریم کی انتیس[۲۹]

---

[۲] یہ حروفِ مقطّعات اَسرارِ وحی میں سے ہیں۔ کسی مصلحت سے خدا تعالیٰ نے اُن کے معنی بندوں پہ ظاہر نہیں کئے ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ اور خلفاءِ راشدین نے اِن کی تفسیر سے خاموشی اختیار فرمائی ہے۔ اِسی بات کو اکثر مفسّرین نے لکھا ہے: "یہ حروف جو اکثر سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ان کے معنی میں اصل قول سلف کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی مراد سے کوئی واقف نہیں!" (بیانُ القرآن) [۳] مکمّل حاشیہ اگلے صفحہ پہ ملاحظہ فرمائیں ؂

[۱] سورۃ المدّثر آیت علیہا

سورتوں کا آغاز ہوتا ہے - یہ چودہ حروف اس طرح ہیں : ا - ح - ر - س - ص - ط - ع - ق - ک - ل - م - ن - ہ - ی ۞ اور مختلف سورتوں کے آغاز میں مستعمل ان حروف کے چودہ قرآنی سیٹ اس طرح ہیں : قٓ - نٓ - صٓ - طٰهٰ - یٰسٓ - طٰسٓ - حٰمٓ - الٓمٓ ، الٓرٰ - طٰسٓمٓ عٓسٓقٓ - الٓمٓرٰ - الٓمٓصٓ - کٓهٰیٰعٓصٓ ۞ اُن اُنتیس ۲۹ سورتوں کے نام کہ جن کی ابتدا میں یہ حُروفِ مقطّعات آغاز کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ، یہ ہیں : البقرہ - آلِ عمران - الاعراف - یُونس - ہُود - یُوسُف - الرّعد - ابراہیم - الحجر - مریم - طٰہٰ - الشّعراء - النّمل - القصص - العنکبوت - الرّوم - لقمان - السّجدہ یٰسٓ - صٓ - مؤمن - حٰمٓ السّجدہ - الشّوریٰ - الزّخرف - الدّخان - الجاثیہ - الاحقاف قٓ - قلم ۞ اور ان سُورتوں کے شمار بالترتیب یہ ہیں : ۲ - ۳ - ۷ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ - ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ - ۳۶ - ۳۸ - ۴۰ - ۴۱ - ۴۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۵ - ۴۶ - ۵۰ - ۶۸ ۞

قرآنِ کریم ان ابتدائی مقطّعات کی وجہ سے تمام دنیا کی کُتب میں ایک منفرد و ممتاز حیثیت رکھتا ہے - تمام قدیم و جدید کُتب خانے نیز کتبِ تاریخ عالم شاہد ہیں کہ تا ہنوز

حاشیہ صفحہ گذشتہ : امام ابوبکر محمد الباقلانی اپنے قول : "قرآن کے طرزِ بیان اور اس کی بلاغت اس حد تک پہنچی ہوئی ہے جہاں انسان کی رسائی ممکن نہیں !" کی وضاحت میں جو دس نکات پیش کرتے ہیں اُن میں سے ایک اِن حُروف سے متعلق بھی ہے جو ذیل میں پیش ہے :-

"عربی میں حروفِ تہجّی کی تعداد اُنتیس ۲۹ ہے - وہ حروف جو اس طرح استعمال کئے گئے ہیں ، اِس تعداد کے نصف یعنی چودہ ۱۴ ہیں - اِس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ قرآن کی بنیاد بھی انہیں حروف پر ہے جن پر عرب کے کلام کی - پھر حُروف کی مختلف قسمیں کی گئی ہیں ، مثلاً حروفِ مہموسہ و مجہورہ ، حُروفِ حلق و غیر حلق ، حُروفِ شدیدہ و غیر شدیدہ ، حروفِ مطبقہ و منفتحہ - کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے حروف میں سے پورے نصف سورتوں کے شروع میں آئے ہیں - یہ حروف کی تقسیمیں تو نُزولِ قرآن کے بہت بعد میں کی گئی ہیں ، اور یہ حقیقت کہ ہر قسم سے پورے نصف حروف لئے گئے ہیں ، علمِ غیب پر دلالت کرتی ہے - اور یہ سوا خدا تعالیٰ کے کسی اور کے اختیار میں نہیں !"

(کتاب اعجاز القرآن)

دُنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس کے ابواب کی ابتدار ایسے حروفِ مقطّعات سے ہوئی ہو۔ آئندہ بحث میں ہم دیکھیں گے کہ قرآن مجید کے یہ حُرُوفِ مقطّعات : "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ہ" کے اُنّیس ۱۹ حروف سے ایک قطعی اور براہِ راست تعلّق رکھتے ہیں۔ یہ ثابت کرنے سے قبل اِس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ اِن چوّدہ ۱۴ حُروفِ مقطّعات کے چوّدہ ۱۴ مختلف سیٹ کی طبیعی ہیئت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور یہ کہ حُروفِ مقطّعات صرف اُنتّیس ۲۹ سورتوں کی ابتدار میں استعمال کئے گئے ہیں۔ اس لئے جب ہم اِن حروف کی تعداد، حُروفِ مقطّعات کے سیٹ کی تعداد اور اُن سورتوں کی تعداد، جن میں یہ استعمال ہوئے ہیں، کو جمع کرتے ہیں تو ان کا حاصل جمع ستاوّن آتا ہے: (۱۴ + ۱۴ + ۲۹ = ۵۷)۔ یہ حاصل جمع عدد اُنّیس کا تین کے ساتھ مضاعفِ یقینی ہے: (۱۹ × ۳ = ۵۷)۔ ذیل میں ہم قرآن کریم کے اُن چوّدہ ۱۴ حُروفِ مقطّعات کے "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ہ" کے اُنّیس ۱۹ حروف کے ساتھ ربط کو ثابت کرنے کے لئے اِن حروف کے ہر چوّدہ ۱۴ سیٹ کا الگ الگ مطالعہ کریں گے۔

(۱) قرآنِ کریم کا یک حرفی مقطع قٓ | قرآنِ کریم کا یہ یک حرفی مقطع دو ۲ سورتوں کی ابتدار میں پایا جاتا ہے۔ اِن سورتوں کے نام اور شمار بالترّتیب اِس طرح ہیں: سُورۂ قٓ (شمار سورۃ ۵۰) اور سورۂ شوریٰ (شمار سورۃ ۴۲) اگر ہم سورۂ قٓ میں حرفِ 'ق' کُل مقامات کا شمار کریں، جس میں زیادہ سے زیادہ تین یا چار منٹ لگیں گے، تو ہم پائیں گے کہ حرفِ 'ق' کے کُل مقامات کی تعداد ستاوّن ہے اور یہ تعداد عددِ اُنّیس ۱۹ سے تین ۳ کا مضاعف ہے: (۱۹ × ۳ = ۵۷)۔ اس طرح قرآنِ کریم کے اِس مقطع کی تعداد کا "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ہ" کے حُروف سے ایک واضح اور طبیعی تعلّق ثابت ہوتا ہے۔ اِن دونوں کے مابین ربط کی نسبت (۱ : ۳) ہے۔ اس مقطع کی ریاضی ہیئت اور "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ہ" سے اس کے تعلّق کی مزید تصدیق اُس وقت ہوتی ہے، جب ہم حرفِ 'ق' کی تعداد دوسری سورہ شوریٰ میں شمار کرتے ہیں۔ اِس کے شمار کے لئے زیادہ سے زیادہ چھ ۶ یا سات منٹ درکار ہوتے ہیں۔ اس سُورۃ میں بھی حرفِ 'ق' کے کُل مقامات کی تعداد ستاوّن ہی پائی جاتی ہے، جو سابقہ ریاضیاتی مضاعف کی طرح اِس بار بھی عدد اُنّیس ۱۹ کا تین ۳ کے ساتھ مضاعف ہے: (۱۹ × ۳ = ۵۷)۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ سورۂ شوریٰ، جو سورۂ قٓ کے مقابلہ دوگنا طویل ہے، میں بھی حرفِ 'ق' کے کل

مقامات کی وہی تعداد موجود ہے جو سورۂ قٓ میں ہے۔ قرآنِ کریم میں اس عظیم ریاضی تعلّق کی مصلحتِ خداوندی کا بچشمِ خود مشاہدہ کرنے کے بعد اب ہمارے لئے اِس کے سوا، اور کوئی چارہ باقی نہیں رہ جاتا کہ اللہ تعالیٰ عزّوجلّ کے حضور میں بحالتِ سجدہ گر پڑیں اور اُس کی کبریائی تسلیم کرلیں۔ اگر کوئی پھر بھی اِس پر تیار نہیں ہوتا تو کم از کم وہ یہ تو سوچ سکتا ہے کہ آخر کس ذی عقل نے اس زبردست اور کامل توازنِ اعداد کا منصوبہ بنایا کیا؟ کس نے اس منصوبہ پر عمل کرکے اُس کو عملی جامہ پہنایا؟ اور کس نے اُس کو بلا نقص تکمیل دیا۔

ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ جو سورتیں حرفِ 'ق' سے شروع ہوتی ہیں، اُن میں حرفِ 'ق' کے کُل مقامات کی تعداد مساوی ہے اور یہ بھی کہ حرفِ 'ق' کی کل تعداد اُن میں عدد اُنتیس[19] کے ساتھ باقاعدہ مضاعف ہے۔ یہاں پر ہمارے سامنے ایک حقیقت اور کھُل کر واضح ہوتی ہے جو یہ ہے کہ اگر ہم ان دونوں سورتوں کے حرفِ 'ق' کی کل تعداد کو آپس میں جمع کریں تو اُن کا حاصل جمع ایک سو چودہ[114] ہوتا ہے: (۵۷ + ۵۷ = ۱۱۴) اور یہ حاصل جمع عدد اُنتیس کا چھ کے ساتھ مضاعف ہے: (۱۹ × ۶ = ۱۱۴)۔ اتفاقاً حرفِ 'ق' کا یہ حاصل جمع قرآنِ کریم کی کُل سورتوں کی تعداد کے قطعی مساوی ہے یعنی دونوں سورتوں میں حرفِ 'ق' کا حاصل جمع ایک سو چودہ[114] ہے اور قرآنِ کریم کی کُل سورتوں کی تعداد بھی ایک سو چودہ[114] ہے۔ اس لئے اگر یہ سمجھا جائے کہ یہ حرفِ 'ق' قرآن کا مخفف ہے یا اِس سے مراد 'قرآن' ہے تو بجا نہ ہوگا کیونکہ ایک سو چودہ[114] سورتوں کے مجموعہ کا نام ہی قرآن ہے نہ کہ کسی اور چیز کا ——————!!

قرآن کی پُراعجاز پیچیدگی کے ثبوت میں ہم یہاں علمِ ریاضی کے مستقل نظم، باقاعدگی اور ترتیب کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ سورۂ 'قٓ' کی آیت ۱۳[لہ] کو اگر ہم دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بہت مختصر سی آیت ہے اور عام طور پر بغیر کسی خاص توجّہ کے تلاوت کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ثبوت کی فراہمی کے لئے یہی مختصر سی آیت بہت اہم اور کافی ہے۔ اِس آیت سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ قرآنِ کریم کا ہر لفظ بلکہ ہر حرف صحیح اندازہ اور قانون کے مطابق اپنے مخصوص مقام پر موجود ہے اور ہر اعتبار و ہر لحاظ سے نپا تلا ہے یہاں تک کہ علمِ ریاضی کی کسوٹی پر پرکھنے پر بھی موزوں اور قطعی ہے۔ کسی انسانی عقل سے بعید

لہ آیت یہ ہے: وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ (اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی)

ہے کہ اتنی طویل، جامع اور بسیط کتاب میں اِن تمام چیزوں کا بیک وقت لحاظ رکھے اور کسی جگہ بھی اس سے کوئی غلطی صادر نہ ہو۔ اس مختصر سی آیت میں صرف یہ مذکور ہے، "عاد، فرعون اور لوط کے بھائی!" — قرآنِ کریم میں قومِ لوط کا تذکرہ بارہ جگہوں پہ ملتا ہے[۱]۔ یہ تمام مقامات قومِ لوط کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک مقام استثنائی ہے اور وہ سورۂ قٓ میں ہے، جہاں 'قومِ لوط' کے بجائے 'برادرانِ لوط' کہا گیا ہے۔ اس استثناء میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک زبردست مصلحت پوشیدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ "اخوان" اور "قوم" دو ایسے الفاظ ہیں جن کے تعمیری حروف اگرچہ مختلف ہیں لیکن دونوں ایک ہی مطلب و مقصد کے لئے بولے جاتے ہیں۔ اگر سورۂ قٓ میں لفظ "اخوان" کے بجائے "قوم" کا استعمال کیا گیا ہوتا تو ظاہر ہے اس آیت کے مطلب میں کوئی فرق واقع نہ ہوتا لیکن اُس صورت میں حرف 'ق' کی کُل تعداد ستاون ۵۷ کے بجائے اٹھاون ۵۸ ہو جاتی، جو یقیناً عدد اُنّیس ۱۹ کا کسی سالم و فطری عدد کے ساتھ مضاعف نہیں ہے۔ بصورتِ دیگر اس سورہ (یعنی سورۂ قٓ) میں استعمال ہونے والے حرف 'ق' کی کل تعداد اسی قبیل[۲] کی دوسری سورۃ (یعنی سورۂ شوریٰ) کے حرفِ 'ق' کی کُل تعداد سے میچ (MATCH) نہ کر کے مختلف و متصادم ہو جاتی۔ مزید یہ کہ اِن دونوں سورتوں میں استعمال ہونے والے حرفِ 'ق' کی تعداد کا حاصل جمع بھی اس صورت میں ایک سو چودہ ۱۱۴ نہ ہو کر ایک سو پندرہ ۱۱۵ ہو جاتا جو نہ تو عدد اُنّیس ۱۹ کا مضاعف ہے نہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵" کے ساتھ کسی ریاضی نسبت کا حامل، اور نہ ہی قرآن کی ایک سو چودہ ۱۱۴ سُوَر کی تعداد کے مساوی۔ چنانچہ حرفِ 'ق' قرآن کا معنی ہرگز نہ دیتا۔ بالفاظِ دیگر یہ تمام ریاضیاتی نظم و ربط صرف ایک لفظ بلکہ ایک حرف کی تبدیلی سے درہم برہم ہو جاتا۔ یقیناً یہ تحقیق قرآنِ کریم کے اب تک محفوظ ہونے پہ ایک کھُلی اور واضح دلیل ہے۔ کیونکہ اگر بفرضِ محال گذشتہ چودہ سو ۱۴۰۰ سالوں میں سُورۂ قٓ یا سورۂ شُوریٰ میں سے کسی ایک میں ایک

[۱] سورہ اعراف : ۸۰، سورۂ ہود : ۷۰، ۷۴، ۸۹ سُورۂ حج : ۴۳ سورۂ شعراء : ۱۶۰، سورۂ نمل : ۵۴، ۵۶ سورۂ عنکبوت : ۲۸ سورۂ صٓ : ۱۳ سورۂ قٓ : ۱۳، سورۂ قمر : ۳۳ ÷

[۲] یعنی ایسی سورۃ جس کی ابتدا بھی اسی حرفِ مقطع یعنی 'ق' سے ہوئی ہو ÷

حرف 'ق' والے لفظ کا بھی اضافہ کر دیا جاتا، یا ایک بھی لفظ کی تخفیف کر دی جاتی یا ایک بھی لفظ میں کوئی ردّ و بدل کر دی جاتی تو اتنا عظیم ریاضیاتی کوڈ اب تک باقی نہ رہتا، بلکہ کب کا تباہ ہو چکا ہوتا۔ ؛

(۲) قرآنِ کریم کا یک حرفی مقطع ن | یہ حرفِ مقطع صرف ایک سورۃ میں استعمال ہوا ہے جس کا نام سورۃ القلم اور جس کا شمار اڑسٹھ ہے۔ اِس سورۃ میں حرفِ 'ن' کے مقامات کا شمار کرنے پہ پایا گیا کہ صرف کُل ایک سو تینتیس ۱۳۳ مقامات پہ استعمال ہوا ہے۔ اِس حرف کی یہ تعداد انّیس ۱۹ کی سات کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے: (۱۹ × ۷ = ۱۳۳)۔ اِس طرح اِس مقطع حرف کی "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۵" کے ساتھ ریاضی نسبت (۱ : ۷) ہے۔ یہاں دوبارہ اس طبیعی مشاہدہ اور ریاضیاتی نظم و ربط سے تحفظِ قرآن ثابت ہوتا ہے۔ یہ اعجازِ قرآن مکمّل طبیعی اُصول پہ منحصر ہونے کی بناء پر غیر متنازع فیہ، قطعی مُسلّم، قابلِ امتحان اور قابلِ مشاہدہ ہے ؛

(۳) قرآنِ کریم کا یک حرفی مقطع ص | یہ حرفِ مقطع تین سورتوں کی ابتداء میں استعمال ہوا ہے، جن کے نام یہ ہیں: سورۃ الاعراف، سورۃ مریم، اور سورۃ صٰ۔ اور اُن کے شمار سورۃ بالترتیب ۷، ۱۹ اور ۳۸ ہیں۔ اِن تین سورتوں میں موجود حرف 'ص' کی تعداد کا الگ الگ شمار بالترتیب: ۹۸، ۲۶ اور ۲۸ ہے، اور اُن کا حاصل جمع ایک سو باون ۱۵۲ ہے: (۹۸ + ۲۶ + ۲۸ = ۱۵۲) جو عدد انّیس ۱۹ کا آٹھ کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے: (۱۹ × ۸ = ۱۵۲) اسی طرح مقطع حرف 'ص' اور "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۵" کے حروف کے مابین ریاضی نسبت (۱ : ۸) ہے ؛

شاید یہاں غیر مناسب نہ ہوگا اگر قرآنِ کریم کے الفاظ و حروف کے پُر اعجاز محلّ و مقام کی مزید وضاحت کے لئے ایک ثبوت پیش کر دیا جائے:۔ سورۃ الاعراف جس کا شمار سُورت سات ہے، کی آیت ۶۹ میں ایک لفظ ۴۳ "بَصْطَةً" استعمال ہوا ہے جو حسبِ معمول حرف 'س' سے لکھے جانے کی بجائے حرف 'ص' سے لکھا گیا ہے۔ درحقیقت عربی

---

۴۳ پوری آیت اس طرح ہے: اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف ۷۹)

زبان میں سرے سے آخر تک کوئی لفظ "بَصْۜطَةً" ! حرف 'ص' سے موجود ہی نہیں ہے۔
اِسی بناء پر قرآنِ کریم کے ہر نسخہ میں اس لفظ کو جہاں استعمال کیا گیا ہے، وہیں حرف
'ص' کے اوپر حرف 'س' بھی لکھ دیا گیا ہے تاکہ اِس آیت کا مطلب و مقصد قابلِ فہم
اور واضح ہو سکے۔ بعض محقّقینِ اسلام و مفسّرینِ قرآن نے اِس لفظ کی تحقیق و وضاحت
میں لکھا ہے کہ لفظ "بَصْۜطَةً" ! کو حرف 'ص' سے لکھنا فرض اور لازم خدا تعالیٰ
کی طرف سے ٹھہرایا گیا ہے، کیونکہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ
وسلّم کو اس آیت کے نزول کے وقت بتا دیا تھا کہ اس لفظ کو حسبِ معمول حرف 'س'
سے ہجے نہ کر کے خلافِ معمول حرف 'ص' سے ہجے کیا جائے۔ اس لفظ کی یہ خلافِ معمولی
لیکن فرض کے طور پر عائد کردہ ہجے جہاں قرآنِ کریم کے تمام حروفِ تہجّی کی پُرپیچ ترتیب اور
پُر مصلحت محل کو واضح کرتی ہے، وہیں اس بات کے مزید ثبوت و دلائل بھی فراہم کرتی ہے
کہ قرآنِ کریم کو خفیف سی ترمیم اور ردّ و بدل سے مکمّل طور پر محفوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ
آج چودہ سو سال بعد بھی نسلِ انسانی کا ہر فرد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس دائمی
معجزہ کو بچشم خود دیکھ سکتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کی ابتداء سے آج تک تمام بنی
نوعِ انسان اِس معجزہ کو دیکھتی آئی ہے اور تا قیامت اِنْ شاءَ اللہ ضرور دیکھتی رہے
گی۔ کیونکہ یہ معجزہ تا قیامت انسانی نسلوں کے سامنے اپنی اسی آب و تاب، اسی جاہ و
جلال اور اِسی متبرّک و پاک حیثیّت سے موجود و محفوظ رہے گا۔ ٭

(۴) قرآنِ کریم کا دو حرفی مقطع 'طٰہٰ' | یہ دو حرفی مقطع قرآنِ
کریم کی صرف ایک سورت کے آغاز میں استعمال ہوا ہے، جس کا نام سورۃ طٰہٰ
اور جس کا شمارِ سورۃ بیس ۲۰ ہے۔ اس سورۃ میں حرف 'ط' اٹھائیس ۲۸ مقامات پر استعمال
ہوا ہے اور حرف 'ہ' تین سو چودہ ۳۱۴ مقامات پر۔ اس طرح دونوں حروف کا مجموعہ
تین سو بیالیس ۳۴۲ ہوتا ہے: (۲۸ + ۳۱۴ = ۳۴۲)۔ اس سورۃ طٰہٰ میں مقطع 'طٰہٰ'
اور "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۝" کے مابین ریاضی نسبت ۱ : ۱۸ ہے چونکہ دونوں
حروف کا مجموعہ عدد اُنیس ۱۹ کا اٹھارہ ۱۸ کے ساتھ مضاعف ہے (۱۹×۱۸ = ۳۴۲)۔

قرآنِ کریم کا یہ پُر اعجاز ریاضیاتی کوڈ اتنے مخصوص انداز میں ایک دوسرے سے
متعلّق، مرکّب اور مربوط (INTER LOCK) ہے کہ تمام چیزوں پر محیط ہے۔

یہاں یہ بھی ایک قابلِ غور بات ہے کہ نہ صرف اِس سورۃ طٰہٰ کے حروف 'ط' اور 'ہ' کے کل مقامات کا مجموعہ عدد اُنّیس ۱۹ کا مضاعف ہے۔ بلکہ جہاں جہاں بھی یہ حروف جداگانہ طور پر بحیثیت مقطعات موجود ہیں وہاں اُن کے مجموعے لازمی طور پر عدد اُنّیس ۱۹ کے مضاعف ہیں۔ حرفِ 'ط' بحیثیت مقطع جن چار سورتوں میں پایا جاتا ہے، اُن کے نام یہ ہیں :- سورۃ طٰہٰ، سورۃ الشّعراء، سورۃ النّمل، سورۃ القصص ۔ اور ان سورتوں کے شمار بالترتیب ۲۰، ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ ہیں۔ حرف 'ہ' جن دو سورتوں میں بحیثیت مقطع پایا جاتا ہے اُن کے نام یہ ہیں : سورۃ طٰہٰ، اور سورۃ مریم اور ان کے شمار سورۃ ۲۰ اور ۱۹ ہیں۔ جب ہم مندرجہ بالا چار سورتوں میں حرفِ 'ط' کے مقامات کا شمار کرتے ہیں تو اُن کی کُل تعداد ایک سَو سات ۱۰۷ اور مندرجہ بالا دو سورتوں میں حرف 'ہ' کے مقامات کا شمار کرنے پر اُن کی کل تعداد چار سَو بیاسی آتی ہے ۴۸۲۔ اگر دونوں کو باہم جمع کیا جائے تو اُن کا مجموعہ پانچ سَو نواسی ۵۸۹ ہوتا ہے : (۱۰۷ + ۴۸۲ = ۵۸۹) جو عدد اُنّیس ۱۹ کا عدد اکتیس ۳۱ کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے : (۱۹ × ۳۱ = ۵۸۹) اس طرح قرآن کریم میں مقطع طٰہٰ اور "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم" کی آیت کے مابین ریاضی نسبت (۱ : ۳۱) ہے ۔

کمپیوٹر کی مدد سے قرآنِ کریم کے ہر حرف کے جداگانہ ریاضیاتی مطالعہ سے بخوبی علم ہو سکتا ہے کہ حروف 'ط' اور 'ہ' کے مقامات کا انتخاب ایک مکمّل ضابطہ، اور منصوبہ کے تحت کیا گیا ہے اور اس منصوبہ و ضابطہ کو صرف سورۃ طٰہٰ ہی میں ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ تمام ان سورتوں میں، جن میں یہ حروف قرآنی مقطّعات کی حیثیت سے موجود ہیں۔ اسی طرح ہم قرآنِ کریم کے مرکّب و پیچیدہ اُصول و طریق اور زیادہ مربوط ریاضیاتی نظام (MATHEMATICAL SYSTEM) کے شواہد میں مسلسل اضافہ محسوس کرتے ہیں جن کی تخلیق کسی انسان کے قبضۂ قدرت سے یقیناً باہر ہے ۔

(۵) قرآنِ کریم کا دو حرفی مقطع یٰسٓ | یہ دو حرفی مقطع صرف ایک سورۃ کے شروع میں واقع ہے۔ اس سورۃ کا نام یٰسٓ اور اس کا شمار سورۃ ۳۶ ہے۔ اس سورۃ میں حرف 'ی' دو سَو سینتیس ۲۳۷ جگہ اور حرف 'س' اڑتالیس ۴۸ جگہ استعمال

۱-۲-۵ : ہر سورۃ میں ہر حرف کی الگ الگ تعداد کی تفصیل کیلئے اس مضمون کے آخر کا خاکہ مطالعہ فرمائیں

ہوا ہے۔ دونوں حروف کا حاصل جمع دو سو پچاسی ۲۸۵ ہوتا ہے (۲۳۷ + ۴۸ = ۲۸۵) جو عدد اُنّیس ۱۹ کا عدد پندرہ کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے (۱۹ × ۱۵ = ۲۸۵)۔ اس لئے اس سورۃ میں دو حرفی مقطع یٰسٓ اور "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ہ" کے درمیان ۱ : ۱۵ کی ریاضی نسبت قائم ہے۔ بالکل ٹھیک وہی مرکّب و مربوط مظہرِ قدرت اس دو حرفی مقطع میں بھی پایا جاتا ہے جو کہ سابقہ دو حرفی مقطع قرآن "طٰہٰ" میں پایا گیا تھا ؛

مقطع 'ی' سورۂ یٰسٓ کے علاوہ سورۂ مریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔

۔سورۂ مریم میں، جس کا شمارِ سورۃ اُنّیس ۱۹ ہے، حرف 'ی'

۳۴۵ مقامات پر موجود ہے۔ اگر ان دونوں سورتوں، یعنی سورۂ یٰسٓ اور سورۂ مریم میں استعمال ہونے والے حرف 'ی' کی کُل تعداد کو باہم جمع کر دیا جائے تو حاصل جمع پانچ سو بیاسی ۵۸۲ ہوتا ہے۔ اسی طرح مقطع 'س'، سورۂ یٰسٓ کے علاوہ چار مزید سورتوں میں پایا جاتا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں : سورۃ الشّعراء، سورۃ النّمل، سورۃ القصص، سورۃ الشوریٰ ؛ اور ان سورتوں کے شمار بالتّرتیب ۲۶، ۲۷، ۲۸، اور ۴۲ ہیں۔ اِن چار سورتوں میں حرف 'س' کے کُل مقامات کی تعداد تین سو اُنتالیس ہے (حاشیہ صفحہ گذشتہ) اگر سورۂ یٰسٓ میں موجود حرف 'س' کی تعداد کو ان چار مزید سورتوں میں واقع حرف 'س' کی تعداد کے ساتھ جمع کر دیا جائے تو پانچوں سورتوں میں واقع حرف 'س' کی کل تعداد بصورت حاصل جمع تین سو ستاسی ۳۸۷ ہو جاتی ہے : (۴۸ + ۳۳۹ = ۳۸۷) اور اگر ہم مندرجہ بالا دو سورتوں کے حرف 'ی' کی کل تعداد کو مندرجہ بالا پانچ سورتوں کے حرف 'س' کی کل تعداد کے ساتھ جمع کرتے ہیں تو حاصل جمع نو سو اُنہتر ۹۶۹ ہو جاتا ہے : (۳۸۷ + ۵۸۲ = ۹۶۹) جو کہ عدد اُنّیس ۱۹ کا عدد اکاون ۵۱ کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے : (۱۹ × ۵۱ = ۹۶۹) اس طرح قرآنِ کریم کے اس دو حرفی مقطع اور "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ہ" کے درمیان (۱ : ۵۱) کی نسبت قائم ہے ؛

(٦) قرآنِ کریم کا دو حرفی مقطع حٰمٓ | یہ دو حرفی مقطع قرآنِ کریم کی سات سورتوں میں ابتداءً بحیثیت حروفِ مقطّعات پایا جاتا ہے، اِن سورتوں کے نام یہ ہیں : سورۂ مؤمن، سورۂ حٰمٓ السجدہ، شوریٰ، سورۂ زخرف، سورۂ دُخان

سورۂ جاثیہ اور سورۂ احقاف ÷ اِن سورتوں کے شمار بالترتیب ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵ اور ۴۶ ہیں۔ اِن سورتوں میں حرف 'ح' کی کل تعداد تین سو چار[۳۰۴][1] اور حرف 'م' کی کل تعداد ایک ہزار آٹھ سو باسٹھ[۱۸۶۲][2] ہے۔ اِن دونوں حروف کی تعداد کا حاصل جمع دو ہزار ایک سو چھیاسٹھ ہوتا ہے: (۳۰۴ + ۱۸۶۲ = ۲۱۶۶) جو عدد اُنّیس کا عدد ایک سو چودہ[۱۱۴] کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے: (۱۹ × ۱۱۴ = ۲۱۶۶) اس طرح اس مقطع اور "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ہ" کے درمیان (۱ : ۱۱۴) کی ریاضی نسبت قائم ہے ÷

اس اجتماعی مضاعفی خصوصیّت کے مشاہدہ کے بعد اگر ہم اِن حروف کا جداگانہ مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان سات سورتوں میں موجود حرف 'ح' کی کل تعداد جداگانہ طور پر عدد اُنّیس[۱۹] کی عدد سولہ[۱۶] کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے: (۱۹ × ۱۶ = ۳۰۴) اور ٹھیک اسی طرح ان سات سورتوں میں موجود حرف 'م' کی کل تعداد بھی جداگانہ طور پر عدد اُنّیس[۱۹] کی عدد اٹھانوے[۹۸] کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے: (۱۹ × ۹۸ = ۱۸۶۲) مزید تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دو حروف ایک اضافی خصوصیّت کے حامل ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا سات سورتوں میں واقع دونوں حروف کی کل تعداد کا حاصل جمع جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ عدد اُنّیس[۱۹] کا عدد ایک سو چودہ[۱۱۴] کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے، اپنا ایک مخفی مفہوم رکھتا ہے۔ یقینی امر ہے کہ عدد اُنّیس[۱۹] سے مراد "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ہ" کے اُنّیس[۱۹] حروف ہیں۔ پس اس حرف سے مناسبت رکھنے والے عدد (ایک سو چودہ[۱۱۴]) سے مراد قرآنِ کریم کی کل سورتوں کی تعداد ہے ÷

اب تک یہ تمام تفصیل ان حروف کے صرف مذکورہ بالا سات سورتوں سے متعلّق تھی۔ لیکن اگر ہم اس سے کچھ آگے بڑھ کر دیکھیں تو ہم پائیں گے کہ حرف 'ح' ان سات سورتوں کے علاوہ کسی اور سورۃ میں بحیثیّت مقطع استعمال نہیں ہوا ہے۔ البتّہ حرف 'م' بحیثیّت حرف مقطع مختلف حروف مقطّعات کے ساتھ سترہ[۱۷] قرآنی سورتوں میں استعمال ہوا

---

[1]، [2]، [3]، [4]، [5] :- ہر سورۃ میں واقع ہر حرف کی الگ الگ تفصیل کیلئے شائقین اس مضمون کے آخر میں دیئے گئے خاکہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ تنگیٔ دامنِ اوراق و تکرارِ بحث کے احساس سے یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے ÷

ہے۔ شمار کرنے پر ان سترہ[۱۷] سورتوں میں حرف 'م' کی تعداد آٹھ ہزار چھ سو تراسی [۸۶۸۳] حاصل ہوتی ہے جو عدد اُنیس[۱۹] کی عدد چار سو ستاون کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے: (۱۹ × ۴۵۷ = ۸۶۸۳)۔ اگر حرف 'ح' کی کل تعداد جو تین سو چار ہے، ہیں ان سترہ سورتوں کے حرف 'م' کی تعداد کو جمع کر دیا جائے تو حاصل جمع آٹھ ہزار نو سو ستاسی [۸۹۸۷] ہو جاتا ہے (۳۰۴ + ۸۶۸۳ = ۸۹۸۷) جو عدد اُنیس[۱۹] کا عدد چار سو تہتر کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے (۱۹ × ۴۷۳ = ۸۹۸۷)

(۷) قرآنِ کریم کا دو حرفی مقطع طٰسٓ یہ دو حروف اپنی آزاد حیثیت سے متصف ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ سورتیں جن میں حروفِ مقطعات مشترک ہوتے ہیں، بعض متعین اوصاف میں باہم مشابہ ہوتی ہیں۔ اگر حرف 'ط' کے مقامات کو تمام ان سورتوں میں، جو اس مقطع سے شروع ہوتی ہیں، شمار کیا جائے۔ بعد ازاں حرف 'س' کے مقامات کو تمام ان سورتوں میں، جن میں یہ حرف بحیثیت مقطع استعمال ہوا ہے، شمار کیا جائے اور دونوں حروف کی تعداد کو یکجا جمع کر دیا جائے تو جو حاصل جمع آئے گا وہ یقیناً عدد اُنیس[۱۹] کا مضاعفِ قطعی ہوگا اور ساتھ میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے ایک خصوصی ریاضی نسبت کا حامل بھی۔ اسی بات کو ثابت کرنے کی ذیل میں کوشش کی گئی ہے:

حرف 'ط' چار سورتوں میں بحیثیت مقطع موجود ہے، جن کے نام سورۂ طٰہٰ، سورۂ شعراء، سورۂ نمل اور سورۂ قصص ہیں۔ ان سورتوں کے شمار بالترتیب ۲۰، ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ ہیں۔ ان چاروں سورتوں میں حرف 'ط' ایک سو سات مقامات پر استعمال ہوا ہے دوسرا حرف 'س' ہے جو پانچ مختلف سورتوں میں بحیثیت مقطع استعمال ہوا ہے۔ اِن سورتوں کے نام یہ ہیں: سورۂ شعراء، سورۂ نمل، سورۂ قصص، سورۂ یٰسٓ اور سورۂ شوریٰ؛ اِن کے شمار بالترتیب ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۶ اور ۴۲ ہیں۔ اِن پانچ سورتوں میں حرف 'س' تین سو ستاسی[۳۸۷] مقامات پر موجود ہے۔ دونوں حروف کی اِن تعداد کا حاصل جمع چار سو چورانوے[۴۹۴] ہوتا ہے: (۱۰۷ + ۳۸۷ = ۴۹۴) جو عدد اُنیس[۱۹] کا عدد چھبیس[۲۶] کے ساتھ مضاعفِ قطعی ہے: (۱۹ × ۲۶ = ۴۹۴)۔ اس لئے اُن مقطعات اور "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝" کے اُنیس[۱۹] حروف کے مابین: (۱ : ۲۶) کی ریاضی نسبت قائم ہے (جاری ہے)

فلسفہ و حکمت کے بنیادی مسائل اور قرآن حکیم

از:۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مدظلہ

(نوٹ :۔ یہ مقالہ چھٹی سالانہ قرآن کانفرنس کراچی میں مزید زبانی توضیحات کے ساتھ پیش کیا گیا)

۱۔ میں نے غالباً ۱۹۱۷ء میں لارڈ بیکن کا یہ قول پڑھا تھا: "فلسفے کا تھوڑا علم انسانی ذہن کو الحاد کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن فلسفے کا گہرا مطالعہ انسانی ذہن کو مذہب کی جانب مائل کر دیتا ہے!"

۲۔ دنیا کی تمام مذہبی کتابوں میں صرف قرآنِ حکیم ایسی کتاب ہے جس نے ہستیٔ باری تعالیٰ پر جس قدر عقلی براہین ممکن ہیں سب پیش کی ہیں۔ چونکہ آپؐ نے منطق، فلسفہ اور کلام نہ کسی استاد سے پڑھا تھا، نہ اِس فن کی کوئی کتاب خود پڑھی تھی نہ کسی فلسفی سے آپؐ کا کوئی رابطہ تھا، اور نہ آپؐ یونانی یا سنسکرت جانتے تھے اور نہ حجاز میں کوئی اِن زبانوں کا جاننے والا تھا، اور نہ توریت یا زبور یا انجیل میں ہستیٔ باری پر کوئی دلیل نہیں دی گئی ہے۔ اس لئے یہ بات بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن آپؐ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ تنزیل من اللہ الحکیم الحمید ہے۔

۳۔ جن لوگوں نے خدا کا انکار کیا، انہوں نے یہ دلیل دی کہ وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا، عقل کی گرفت میں نہیں آتا۔ لیکن یہ دلیل معقول نہیں ہے کیونکہ سمجھ میں نہ آنا کسی شے کی نفی یا اس کے عدم کی دلیل نہیں۔ ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ ہم کیونکر دیکھتے ہیں اور کیونکر سنتے ہیں اور کیسے گذشتہ واقعات کو یاد رکھتے ہیں۔ لیکن ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ ہم یاد رکھتے ہیں۔
یہ دلیل کہ ہمارے اندر مادّے کے علاوہ ذہن بھی ہے اور یادداشت اس کا ایک وظیفہ ہے۔ اور جن لوگوں نے الحاد کے بجائے مادیت کو اختیار کیا ہے

وہ آج تک یہ ثابت نہیں کر سکے کہ مادّے میں حرکت اور شعور کہاں سے اور کیسے پیدا ہوگیا۔ فلسفے کا قانون یہ ہے کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی، عدم سے وجود نہیں ہو سکتا، تو بے شعور سے شعور کیسے سرزد ہوا؟ اکبر کا شعر ہے۔

دعویٰ ہے خرد کا تم کو لیکن یہ کہو ❊ پیدا ہوا مادّے میں کیونکر یہ شعور

تمام منکرین نے SOME HOW کہہ کر جان چھڑائی ہے[1]، مگر اُن کی جان قیامت تک نہیں چھوٹ سکتی۔ جین دھرم اور سانکھ درشن دونوں منکرِ خدا ہیں اور دونوں نے SOME HOW کے دامن میں پناہ لی ہے، مگر پناہ ہرگز نہیں مل سکتی کیونکہ ہمارے سوال کی تلوار اُن کے سر پہ لٹک رہی ہے یعنی جب نفسِ ناطقہ مُدرک ہے تو اُس نے صاحبِ شعور ہو کر مادّے کی قید میں گرفتاری کو کیسے قبول کر لیا؟ جب کہ کوئی ذی ہوش کسی کی قید ایک لمحے کے لئے گوارا نہیں کرتا ضرور کوئی تیسری طاقت ہے جس نے انہیں مربوط کر دیا ہے اور وہ خدا ہے اگر نظر نہیں آتا تو آتما بھی تو نظر نہیں آتی۔ تم جو دلیل آتما کے وجود پہ دو گے وہی دلیل، ایشور کی ہستی ثابت کر دے گی۔

فلسفے کے بنیادی مسئلے دو ہی ہیں پھر ان سے بہت سے مسائل متفرّع ہو گئے ہیں۔ مسئلۂ وجود اور مسئلۂ علم۔ یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ پہلی وحی میں انہی دو بنیادی مسئلوں کا جواب دیا گیا ہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

"اپنے ربّ کے نام سے آئندہ علوم بذریعہ وحی حاصل کرو یعنی وجود کا منبع ORIGIN بھی خدا ہے اور علم کا مصدر SOURCE بھی خدا ہے اُس نے اپنی مرضی سے انسان کو خلعتِ وجود عطا کیا اور اُسی نے اپنی مرضی سے انسان کو زیورِ علم عطا کیا۔

---

[1] سانکھ درشن سے لے کر برٹرینڈ رسل تک سب لوگ SOME HOW میں پناہ لیتے ہیں کیسے پیدا کی؟ کیوں؟ کب؟ اِن سب کا جواب یہ ہے:- SOME HOW —

۱- **ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت** : فلسفے میں اب تک کونیاتی، غائتیاتی، کائناتی اور اخلاقی دلائل مدوّن ہوئے ہیں - قرآن نے ان چاروں کے علاوہ تاریخی اور وجدانی دلائل بھی پیش فرمائے ہیں - ذیل میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں

۱- قرآن مجید نے حکم دیا کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کا اتباع مت کرو :
وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط (۱۷ : ۳۶) غور کرو اس آیت میں کس قدر عظیم الشان حکمت کی تعلیم دی گئی ہے - پس ہمیں ہستی باری تعالیٰ کا بھی علم حاصل کرنا چاہیئے - یعنی خود اللہ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ انسان کو محض تقلیداً ایمان نہیں لانا چاہیئے بلکہ خود علم بالیقین حاصل کرنا چاہیئے تاکہ ایمان میں پختگی کی شان پیدا ہو جائے -

۲- چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنی ہستی پر جس قدر دلیلیں ہو سکتی ہیں، سب پیش کر دی ہے - میں نے ۱۹۳۴ء میں - "THE QURAN AND THE ULTIMATE REALITY" - کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ لکھا تھا جو مسلم ریویو کے پچاس ساٹھ سے زائد صفحات کو محیط تھا - ظاہر ہے میں اسے یہاں نقل نہیں کر سکتا -

سب سے پہلی دلیل : قرآن نے منکروں سے دو سوال کئے ہیں : اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ○

"کیا یہ غیر شئ یعنی (عدم سے خالق کے بغیر) پیدا ہو گئے ہیں (موجود ہو گئے ہیں) یا یہ خود ہی اپنے خالق ہیں ؟"

نوٹ : قرآن کا یہ اسلوبِ بیان قابلِ غور ہے کہ وہ دنیا جہان کی علمی، منطقی، فلسفیانہ اور سائنٹیفک بحثیں کرتا ہے - مگر فلاسفہ کی مصطلحات قصداً استعمال نہیں کرتا - اس کی دو وجہیں ہیں :

(۱) پھر عوام قرآن کو نہ سمجھ پاتے (۲) مخالفین یہ کہتے کہ آنحضرتؐ نے یہ مصطلحات حکمائے یونان سے مستعار لی ہیں - منطق میں اسے حصرِ عقلی کہتے ہیں یعنی عقلاً تیسری صورت ممکن نہ ہو ——— (۱) غیر شئ (معدوم) سے شئ (موجود) کا صدور محال ہے - (۲) ذات پر تقدّم (تقدّم الشئ علیٰ نفسہٖ)

بھی محال ہے تو عقلاً ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ انسان کسی شے سے وجود میں آیا ہے۔ یعنی کسی شے نے اُسے پیدا کیا ہے۔ میں نے عرصہ ہوا ۱۹۱۲ء میں الہیات پر ایک کتاب پڑھی تھی، اُس کا یہ فقرہ اب تک یاد ہے:

SOMETHING EXISTS TODAY

یہ ایک صداقت ہے تو پھر:

SOMETHING HAS EXISTED FROM ETERNITY

کیونکہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی ــــ اب بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ وہ شی ذہن یا مادّہ ہے۔ لیکن اربابِ علم جانتے ہیں کہ مادّے سے ذہن وجود میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ ذہن میں ایک چیز ایسی ہے جو مادّے میں نہیں ہے اور وہ ہے شعور۔ برگسوں نے اس پر ایک معرکتہ الآرا کتاب لکھ دی:

"MATTER AND MEMORY"

جس میں اس نے ثابت کر دیا کہ حافظہ تو ذہن کا وظیفہ ہے نہ کہ مادّے کا۔ دو سو صفحات کی کتاب کا خلاصہ اکبرؔ نے ایک شعر میں پیش کر دیا ہے ؎

دعویٰ ہے خرد کا تم کو لیکن یہ کہو | پیدا ہوا مادّے میں کیونکر یہ شعور
غور سے دیکھو زمین و آسماں کو منکرو | اور چل بھی سکتا ہے خدا کے انتظام اتنا بڑا

۲۔ دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ انسان کہاں سے آیا؟ اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ بھی خدا کی طرح قدیم یا واجب ہے؟ اللہ نے اس کا بھی حتمی جواب دیا ہے: یَا أَیُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۱۵-۳۵﴾ غنی کا مطلب ہے موجود یعنی واجب الوجود۔ یہاں بھی مصطلحاتِ فن سے اجتناب فرمایا ہے۔

۳۔ علت اور معلول کا سلسلہ لامتناہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ بات خلافِ عقل ہے، تو علتِ اولیٰ لازمی ہے اور وہ اللہ ہے، اللہ علتہ العلل ہے: وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ﴿۵۳-۴۲﴾ اقبال کی رائے میں یہ قرآن کی عمیق ترین آیت ہے۔ لیکن میری رائے میں ایسی آیت پہلی ہے، لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ دونوں عمیق ترین اور نہایت بصیرت افروز آیات ہیں۔ حکمت

کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکمت کو "خیر کثیر" قرار دیا ہے جسے ہم خیر اعلیٰ بھی کہہ سکتے ہیں۔ خیر کی ضد شر ہے۔ قرآن پہلی مذہبی کتاب ہے جس نے حکمت کو خیر کثیر قرار دیا اور اس کی تحصیل کو مسلمان کا فرض منصبی قرار دیا ہے

گفت حکمت را خدا خیر کثیر ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

حکمت کے معنی ہیں اشیاء کی حقیقت کا ادراک کرنا۔ حضورؐ کی دُعا ہے: "اے اللہ! مجھے حقائق اشیاء کا علم عطا فرما!" ——— قرآن پہلی مذہبی کتاب ہے جس نے مطالعۂ کائنات اور مشاہدۂ فطرت کو عقل مندوں کی شناخت قرار دیا۔ اُولوالالباب اور اُولی الالباب: اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط ——— ذکر: عشق و محبت اور فکر: عقل و خرد۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا الخ

اسلام یا قرآن نے زندگی کے چار مقاصد قرار دیئے ہیں: مادّی۔ جذباتی اخلاقی۔ روحانی ——— اسلام نے رہبانیت کو اسی لئے ممنوع قرار دیا، کہ وہ زندگی کے صرف ایک پہلو (روحانی) کو مقصود بناتی ہے ——— صدق، خیر اور جمال خدا کی شئون ثلاثہ ہیں۔ اِن سے علم، قوت اور سعادت کا حصول ہوتا ہے۔

فلسفے کی غرض و غایت کیا ہے؟ یہ معلوم کرنا کہ (۱) کائنات کی اصلی بنیاد کیا ہے (۲) انسانی زندگی کا اصلی مفہوم اور مقصد کیا ہے؟ قرآن نے اِن بنیادی مسئلوں کا بھی جواب دیا ہے (۱) کائنات کی اصلی بنیاد اللہ ہے (۲) انسانی زندگی کا مفہوم وہ زندگی ہے جس کے سامنے کوئی آئیڈیل ہو۔ انسانی زندگی کا مقصد اُس آئیڈیل کا حصول ہے۔ وہ نصب العین خدا ہے لہٰذا مقصدِ حیات یہ ہے کہ انسان اپنے اندر خدائی صفات پیدا کرے یا بقولِ قرآن اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لے یا بقولِ رسولؐ اپنے اندر اخلاقِ ایزدی پیدا کرے ——— ساری دُنیا کی مذہبی کتابیں پڑھ جاؤ یہ بات کسی نے نہیں کہی کہ دلیل لاؤ۔ قرآن نے انسانی ذہن کو توہمات، رسومات اور تحکمانہ عقائد اور احبار پرستی، شخصیت پرستی اور

رسوم پرستی سے پاک کر کے غور و فکر یعنی سائنس کی ترقّی کا دروازہ کھول دیا۔ اسلام سے پہلے علم، صرف پنڈتوں اور پادریوں کی جاگیر تھا۔ قرآن نے اِس نور کو نورِ آفتاب کی طرح عام کر دیا۔

قرآن نے انسان کو ذہنی غلامی سے آزاد کیا : هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ساری دُنیا بے دلیل عقائد کی لعنت میں گرفتار تھی۔ قرآن نے مژدۂ جانفزا سنایا : وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط (یعنی جس بات کا علم نہ ہو اُس کی پیروی مت کرو!) تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ قرآن نے کائنات میں غور و فکر کی دعوت دی۔ یہ پہلی اور آخری مذہبی کتاب ہے، جس نے یہ کہا کہ اللہ کی ہستی کا ثبوت تمھارے اندر بھی ہے اور باہر بھی ہے : سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (۴۱ - ۵۳) - " تاکہ اُن پر واضح ہو جائے کہ یہی بات حق ہے!" اور جب قرآن حق ہے تو کوئی اُس کا نازل کرنے والا بھی ہے اور وہ بھی حق ہے۔ عوام النّاس کے لئے یہ دلیل دی : اَ فِى اللّٰهِ شَكٌّ ؟ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط (کیا اللہ کی ہستی میں شک ہو سکتا ہے؟ وہی تو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے!)

قرآن دنیا میں پہلی مذہبی کتاب ہے جس نے صاحبانِ عقل و فہم و ذکر و فکر کائنات میں تعقّل، تفکّر، تدبّر، تفقّہ کی دعوت دی۔ قرآن کی عظمت کا اندازہ صرف مذاہبِ عالم کی مذہبی کتابوں کے تقابلی مطالعے سے ہو سکتا ہے۔ پاکستان میں سب کچھ ہے لیکن کسی یونیورسٹی میں مذاہبِ عالم کے تقابلی مطالعے کا کوئی شعبہ نہیں ہے۔

آئیے! عیسائیوں اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کی چند ابتدائی سطروں کا تقابلی مطالعہ کرلیں : ؎

خوش بود گر محکِ تجربہ آید بمیاں ❊ تا سیہ رُوے شود ہر کہ دروغش باشد

(۱) رگ وید : اگنی میلے پروھتم رجنا سیا دیوا رتی وجم، ہوتا رم رتنا دھاتا م

(۲) متی کی انجیل : خداوند یسوع مسیح کا نسب نامہ لیکن یہ تو خداوند کا شاگرد

بیان کر رہا ہے خود خداوند نے ہمیں کیا پیغام دیا؟

(۳) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

آغاز ہی میں سب کچھ یا تمام ضروری سوالات کے جوابات دے دیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ خیر اعلیٰ کیا ہے؟ لیکن نسب نامے سے کتاب یا صاحبِ کتاب کا تعارف نہیں ہوتا۔ اسی طرح توریت کا آغاز: براشیت بارا الوھیم ھا ارض والشمائیم۔ مگر اس سے کتاب کا تعارف نہیں ہوتا۔

نزولِ قرآن سے پہلے سائنس کا نام لینا بھی سارے مسیحی یورپ میں جرم تھا۔ راجر بیکن جب قرطبہ سے سائنس (طبیعات، کیمیا، اور حیاتیات) پڑھ کر انگلستان آیا تو انگریزوں نے اُسے جادوگر کا لقب دیا۔ رومن کیتھولک کلیسا نے ہزاروں سائنسدانوں کو آگ میں زندہ جلا دیا۔ جلانے میں حکمت یہ تھی کہ آگ سے ایک جادوگر کا خون زمین پر گرے گا تو "دھرتی ماتا" ناپاک ہو جائے گی۔ صرف اسپین میں ۳۵ ہزار حکماء اور فلاسفہ کو زندہ جلا دیا گیا۔ اور سارے یورپ میں کئی لاکھ بگنا ہوں کو۔ اب رہا ہندوستان تو یہاں فلسفہ تو تھا مگر سائنس نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام الناس میں تمام عناصرِ فطرت سورج، چاند، ستارے زمین، ہوا، افلاک، شفق، دریا، پہاڑ عدے۔ اعضائے جسمانی کی پرستش کی جاتی تھی، تو ان کے بارے میں مشاہدہ و تجربہ کیسے ہوتا؟ سورج اور آگ تو سب سے بڑے دیوتا تھے۔ قرآن اللہ کے نام سے شروع ہوتا ہے۔ رگ وید اگنی (آتش) کے نام سے شروع ہوتا ہے۔

یہ قرآن ہی تھا جس نے دُنیا کو سب سے پہلے یہ بتایا کہ تمام عناصرِ فطرت تمہارے خادم ہیں: اگنی، پرمیشور اعظم نہیں ہے، تمہاری خادمہ ہے:

سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ + سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ +

(سورۂ ابراہیم)، اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ ط (۲۲-۶۵)

پندرہ سے زائد آیتوں میں اللہ نے اعلان فرمایا کہ کائنات میں جو کچھ ہے تمہارے خادم ہیں، مخدوم نہیں ہیں، تمہارے مطیع ہیں، فرماں بردار ہیں، معبود یا مسجود نہیں ہیں۔ بے شک آج ہم اُس انقلابِ ذہنی کا اندازہ نہیں کر سکتے جو قرآن نے آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں دنیا میں پیدا کر دیا۔

میرا دعویٰ ہے کہ قرآن کے سوا کسی مذہبی کتاب نے باطن (ذہن) اور خارج (عالمِ رنگ و بُو) میں اتنا بڑا انقلاب پیدا نہیں کیا جتنا قرآن نے۔ اس محدود وقت اور مقالے میں تمام مذاہب سے مثالیں دینا تو ناممکن ہے، میں صرف بودھ دھرم کو پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کرتا ہوں :

۱- بودھ دھرم نے کہا خدا نہیں ہے۔ تو اس سے پہلے سانکھ درشن اور چارواک مت نے یہ تعلیم دی تھی۔ بودھ نے کیا انقلاب پیدا کیا؟۔

۲- بودھ دھرم نے کہا کہ آتما نہیں ہے، تو چارواک نے اس سے پہلے یہ تعلیم دی تھی۔

۳- بودھ دھرم نے کہا کہ دُنیا دُکھ ہے تو ہر ہندو فلسفے اور اس سے پہلے جین دھرم نے یہ تعلیم دے دی تھی۔

۴- بودھ دھرم نے کہا کہ دُنیا لائقِ ترک ہے۔ رہبانیّت، تیاگ، ویراگ اور سنیاگ اختیار کرو تو سارے ہندو اور جین یہی کہتے تھے۔ اور تو اور متھرا ازم، عیسائیت، مینکی ازم اور باطنیّت۔ سب کہتے تھے کہ مادّہ ناپاک ہے، جسم ناپاک ہے، دُنیا ناپاک ہے، نکاح ناپاک ہے، عورت ناپاک ہے، کتنا بڑا انقلاب پیدا کیا قرآن نے کہ نہ مادّہ ناپاک ہے، نہ جسم ناپاک ہے نہ عورت ناپاک ہے، نہ نکاح کرنا بری بات ہے۔

(ا) ذرا موازنہ تو کرو یسوع کی تعلیم سے کہ: "مبارک وہ ہیں جو آسمانی بادشاہت کے لئے اپنے آپ کو خصّی کر لیں اور عورت سے اجتناب کریں"۔

(ب) ذرا موازنہ تو کرو سدھارتھ گوتم بدھ کی تعلیم سے کہ: "اگر عورت نظر آ جائے تو آنکھیں بند کر لو۔ وہ پاس آ جائے تو مُنہ پھیر لو۔ عورت سے بچو جس طرح سانپ سے بچتے ہو۔

(ج) موازنہ تو کرو جین دھرم سے کہ "عورت چونکہ ہر وقت جیو ہتھیا کرتی رہتی ہے اس لئے کامل نجات حاصل نہیں کر سکتی۔ سورگ کی چھبیس سیڑھیاں ہیں وہ سولھویں ہی پر رہ جاتی ہے۔[۱]"

اب دیکھو کہ قرآن نے عورت کو تحت الثریٰ سے اُٹھا کر عزت کے آسمان پر پہنچا دیا — یہ زندگی کے صرف ایک شعبے میں انقلاب ہے یقین کرو، قرآن نے حیاتِ انفرادی اور حیاتِ اجتماعی کے ہر شعبہ میں انقلاب برپا کر دیا، اور خصوصاً اپنی حکیمانہ تعلیمات کی وجہ سے۔

قرآن پہلی کتاب ہے جس نے برہان کو کسی دعوے کی صحت کا معیار بنایا اسلام سے پہلے دُنیا کے تمام مذاہب بُرہان کے نام سے نا آشنا تھے۔ ہندو مت جین مت، بدھ مت، زرتشتیت، مینکی ازم، متھرا ازم، باطنیت، یہودیت اور عیسائیت۔ اِن میں سے کسی مذہب نے مخالفین سے یہ نہیں کہا کہ :- هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ نہ یہ کہا کہ : وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط نہ یہ کہا : لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ○ نہ یہ کہا : اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ○

قرآن دنیا میں پہلی اور آخری کتاب ہے جس نے عقل کی تسلّی کا سامان مہیّا فرمایا۔ (ا) دعویٰ کیا تو دلیل بھی دی، تا کہ عقل مطمئن ہو سکے اور آپ قبول کر سکیں (ب)، حکم دیا تو اُس کی لِم بتائی تا کہ عقل مطمئن ہو سکے اور آپ عمل کر سکیں۔ مثلاً قرآن نے کہا خدا دو نہیں ہو سکتے تو اس کی بُرہان بھی پیش کی : "لَفَسَدَتَا[۱]" مثلاً قرآن نے حکم دیا روزہ رکھو تو لِم بھی بتا دی :- لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ ایک بات اور عرض کر دوں۔ سارے قرآن کا اسلوبِ بیان منطقیانہ اور حکیمانہ ہے۔ اس کی قدر و قیمت یا خوبی کا اندازہ آپ کو اُس وقت ہو سکتا ہے جب آپ مذاہبِ عالم کی مزعومہ الہامی کتابوں کا بغور مطالعہ کر لیں : نعرف الاشياءُ باضدادِها — مسٹر بروہی نے مجھ سے کہا تھا دُنیا ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت کا اندازہ نہیں کر سکی کیونکہ انہیں کوئی پاسویل نہیں ملا۔ میں کہتا ہوں دُنیا ابھی تک قرآن حکیم کی

خوبیوں کا اندازہ نہیں کرسکی - وجہ یہ ہے کہ یہ فرض ہم پر عائد ہوتا ہے لیکن ہم اللہ کے فضل سے تبلیغ و اشاعت قرآن کے بجائے قبروں کو گلاب اور روح کیوڑے کے عرق سے غسل دے رہے ہیں یا کسی مشکل کشا کا دونا کھا رہے ہیں یا کسی دستگیر کی نیاز کھا رہے ہیں، یا غیر اللہ کو پکار رہے ہیں - اگرچہ قرآن نے عقل کو اس کا جائز مقام عطا فرمایا ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تعقّل، تفکّر، تدبّر اور تفقّہ سے کام لیں تاہم ایمان کا معیار عقل کے بجائے محبّت کو رکھا ہے - کیونکہ عقل کا بنیادی تقاضا اطمینان عطا کرنا نہیں ہے بلکہ شبہات پیدا کرنا ہے : وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط ایمان کی نشانی عقل و خرد نہیں ہے بلکہ حُبِّ الٰہی ہے، اور یہیں آکر ہندو دھرم اور اسلام میں موافقت ہو جاتی ہے۔ اگر مسلمان اپنے عہدِ حکومت میں اس حقیقت کو شائع کر دیتے تو اسلام ہندوؤں کی نفرت بڑی حد تک دور ہو جاتی اور وہ اسلام کے قریب آجاتے۔ اکبر نے اسی حقیقت کو یوں واضح کیا ہے ؎

مذہب کی لیپ پوت سے دبتی نہیں ہے عقل
بس عشق ہی مٹاتا ہے اُس کی کُرید کو

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اور علمِ قلیل کبھی غیر محدود کا ادراک نہیں کرسکتا، اس کا ذریعہ عشق ہے۔

انسان میں بنیادی FACULTIS عشق اور عقل ہیں۔ قرآن نے دونوں کی اہمیت تسلیم کی ہے اور فرمایا ہے کہ : اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (صاحبانِ خرد) اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ط (۳ - ۱۹۰ : ۱۹۱) اللہ کا ذکر کرو، کائنات میں فکر کرو، یہ ہے صحیح طریق کار مگر تیسری اور چوتھی صدی سے منافقین نے اصحاب العدل والتوحید کا لقب پہن کر قرآنی طریق کو الٹا کر دیا۔ اس دشمن اسلام جماعت نے اللہ کی ذات میں فکر شروع

عقلِ انساں کیوں نہ عاجز ہو ترے ادراک میں
رُوح ہی کو یہ نہ سمجھی اور تو ہے جانِ رُوح
چلتی نہیں کچھ اپنی کوئی ہزار چاہے ❁ ہوتا ہے بس وہی جو پروردگار چاہے

کیا اور کائنات کا ذکر یعنی دنیا سے محبت کا درس دیا یعنی وہ بحثیں شروع کیں جن کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں ہے مثلاً ذاتِ باری اور وجودِ باری میں کیا فرق ہے ؟ کیا خدا پر شے کا اطلاق ہو سکتا ہے ؟ صفات کا ذاتِ باری سے کیا رشتہ ہے ؟ آیا وہ عینِ ذات ہیں یا غیر ذات ہیں ؟ یا لاعین و لاغیر ہیں ؟ یا زائد علی الذات ہیں ؟ یا علاقہ فیما بین ناقابلِ تشریح ہے ؟ یہ ایسے سوالات ہیں کہ ان کا تسلّی بخش جواب نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب سوالات وراء العقل ہیں، عقل تو مادیات میں چل سکتی ہے۔ جو ذات لامحدود اور ابدی ہے، اس میں وہ سراسر عاجز ہے ؎ اکبر

انکشافِ رازِ ہستی عقل کے بس میں نہیں ؛ فلسفی ہاں کیا کہے اور سارا عالم کیا کہے

بہرحال عقل کو قرآن نے اُس کا جائز مقام عطا کیا ہے، اُس کی مذمت نہیں کی بلکہ اسے استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ تعقّل، تفکّر، تدبّر اور تفقّہ کی تلقین کی ہے لیکن اُسے اُس کی حد میں رکھنے کا بھی حکم دیا ہے۔ جب عقل مادّیات میں کامل رہنما نہیں ہے وہ نفسِ ناطقہ کی ماہیت نہیں سمجھ سکتی (اس لئے انکار کر دیتی ہے) تو خدا کی ماہیت کیسے سمجھ سکتی ہے ؟ ؎ بقول اکبر

عقلِ انساں کیوں نہ عاجز ہو ترے ادراک میں ؛ روح ہی کو یہ نہ سمجھی اور تو ہے جانِ روح

فلسفہ لاکھ کوشش کرے حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا، صرف مظاہر سے بحث کر سکتا ہے ـــــ کانٹ کا سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ ہمیں صرف مظاہر کا علم حاصل ہو سکتا ہے حقیقت کا علم حاصل نہیں ہو سکتا ؎

کچھ نہیں کارِ فلک حادثہ پاشی کے سوا ؛ فلسفہ کچھ نہیں الفاظ تراشی کے سوا

ہیوم کہتا ہے کہ ہمیں نفسِ ناطقہ کا ادراک نہیں ہو سکتا صرف IMPRESSIONS اور IDEAS کا علم حاصل ہو سکتا ہے ؎

عقلِ انساں کیوں نہ عاجز ہو ترے ادراک میں ؛ روح ہی کو یہ نہ سمجھی اور تو ہے جانِ روح

خلاصہ کلام اینکہ : قرآن سراپا حکمت ہے، اس لئے اُس نے حکمت، عقل و خرد اور فلسفے کو مردود قرار نہیں دیا، ہاں ان کو جائز حدود میں رکھا ہے۔ کیونکہ حقیقت کا ادراک وراء العقل ہے ؎

فلسفی بھی نوحہ گر ہیں ذہن کے مقسوم پہ ؛ رکھتے ہیں معلوم کی بنیاد نامعلوم پہ!

مثلاً اشیائے مادّی کی اصل برق پارے ہیں اور اُن کی اصل نامعلوم ہے۔

۱۔ شخصیتِ انسانی کے تین پہلو ہیں علم، جذبات اور ارادہ تو علمی پہلو کی نشوونما کے لئے قرآن نے غور و فکر، مشاہدے اور تجربے کا حکم دیا۔ جذباتی پہلو کی نشوونما کے لئے اللہ سے محبّت کا حکم دیا کیونکہ ؎

عشقِ آں زندہ گزیں کو باقی است ❊ وز شرابِ جاں فزایت ساقی است

ارادی یا عملی پہلو کی تربیت کے لئے جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا ——— !!

۲۔ انسان میں دو قوتیں یعنی FACULTIS ہیں۔ ذکر اور فکر دونوں کے وظیفے مقرر کر دیئے !

۳۔ اپنے تجربے کی بنا پر کہتا ہوں کہ اگرچہ قرآن فلسفے کی درسی کتاب نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کتاب کو سمجھ کر روح کی گہرائیوں میں اتار لے تو بفضلِ خدا بہت بڑا فلسفی بن جائے گا۔ لیکن آزمائش شرط ہے ؏

ذوقِ ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝

اِستدراک

میری رائے میں قرآن کا اصلی اور بنیادی مقصد تو خدا رسی، ادراکِ ذات یا تحصیل و تحقیقِ ذات ہے اور اس کا ذریعہ تزکیۂ نفس ہے، جو اس زمانے میں پوری مسلمان قوم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے خارج ہو چکا ہے۔ بلکہ بعض اسلامی جماعتیں اسے عجمی سازش اور افیون سے تعبیر کرتی ہیں۔ یعنی اپنے قلب کی گہرائیوں میں اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس کرنا۔

اقبال کی رائے میں قرآن کا اصلی مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل میں کائنات

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے گوناگوں تعلقات کا شعور اجاگر کیا جائے۔
لیکن یہ قرآن مجید نوعِ انسان کے لئے پیامِ آخریں بھی ہے اس لئے اس میں سب کچھ موجود ہے، سیاست اور معیشت بھی ہے، حکمت اور فلسفہ بھی، تردیدِ شرک بھی ہے اثباتِ توحید بھی، ضابطۂ اخلاق بھی ہے اور قانونِ جنگ و صلح بھی۔

قرآن کو قرآنِ حکیم اسی لئے کہتے ہیں کہ اُس میں از اوّل تا آخر حکیمانہ نکتے بیان کئے گئے ہیں اور خود قرآن نے حکمت کو "خیرِ کثیر" کہا ہے: يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ط (۲ : ۲۶۹)

دنیا کی موجودہ مذہبی کتابوں میں صرف قرآنِ حکیم ہی وہ واحد یا تنہا کتاب ہے جو بہت سی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس موضوع پر میں نے ۱۹۳۸ء میں ۴۰ صفحات کا مقالہ لکھ دیا تھا۔ چنانچہ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس عدیم المثال کتاب نے مصطلحاتِ فنون استعمال نہیں کی ہیں۔ میری رائے میں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پھر یہ کتاب ذکر کے لئے آسان نہ رہتی۔ اس کے باوجود مختلف علوم و فنون کے حقائق بیان کر دیئے ہیں۔ مثلاً فلسفے میں ایک بحث یہ ہے کہ قدیم ایک سے زیادہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ قرآنِ حکیم نے فیصلہ صادر فرمایا کہ قدیم یا واجب الوجود صرف ایک ہو سکتا ہے۔ ماسوی اللہ حادث یا ممکن الوجود ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ إِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ اب یہاں قرآن نے ممکن یا حادث کے بجائے فقیر یا محتاج کا لفظ استعمال کیا ہے اور واجب یا قدیم کے بجائے "الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ" کی ترکیب استعمال فرمائی ہے۔ اسی طرح الوہیتِ مسیحؑ کی تردید فرمائی تو یہ طریقہ استعمال کیا
مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ

پہلا قضیہ: خدا جسم نہیں مادہ نہیں۔ غیر مجسم کھانا نہیں کھاتا، اس لئے خدا کھانا نہیں کھاتا۔

دوسرا قضیہ: خدا کھانا نہیں کھایا کرتا، مسیح کھاتے تھے، اس لئے مسیح خدا نہیں ہو سکتے۔ یہ باتیں منطقی ہیں مگر اندازِ بیان آسان ہے۔ تمّت بالخیر ۞

مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥

طارق محمود بی۔ ایس۔ سی۔ لاہور

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے: "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ٥" اور اسے اپنی تمام مخلوق پر افضلیت دی ہے۔ فرشتوں تک کو اُس کے سامنے جُھکا دیا: "اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا"۔ مگر اُس کی یہ افضلیت حُسنِ کردار و عمل کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ اِس سے محروم ہو جائے تو بدترینِ خلائق بن کر رہ جاتا ہے ؞

اِمتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ انسان کچھ ایسی مخلوق بن گیا۔ وہ اُن تمام محاسن سے محروم ہو گیا، جن کی بنیاد پر اُس کو خلافت و نیابتِ خداوندی کا اعزاز ملا تھا۔ اور وہ اُس تمام فساد و بگاڑ کا سرچشمہ بن گیا، جس کا خدشہ ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں ظاہر کیا تھا۔ اِس فساد و بگاڑ کی ایک جھلک آج سے کوئی ڈیڑھ ہزار برس پہلے سرزمینِ عرب پر دیکھی جا سکتی ہے ؞

وہ ایک ایسی جاہل و وحشی قوم تھے جو تہذیب سے قطعاً ناآشنا اور شرافت اور انسانیت سے بالکل عاری تھی۔ تمدّنی لحاظ سے خانہ بدوش اور سیاسی لحاظ سے قبائل میں بٹے ہوئے اور دوسری قوموں کی نظر میں بے وقار تھے ؞

اُن کے معاشرہ میں لوٹ مار اور ظلم و ستم کا دَور دورہ تھا، جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کا اُصول کارفرما تھا۔ جان و مال اور عزّت و احترام کا کسی کو تحفّظ حاصل نہ تھا ــــ عورتوں کو منڈی کا مال یا پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا ــــ اِس اشرف المخلوقات کی ذلّت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے جیسے گوشت پوست کے بنے ہوئے انسانوں یا اُن کے مجسّموں کے سامنے سجدہ ریز تھا اور اُن سے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اپنی حاجات پوری کرنے کی درخواستیں کرتا اور اُن کے نام کی منّتیں مانتا۔ مذہب اور اقتدار کے نام پر بے شمار انسان زمین پر خدا بن کر اپنی پوجا کرواتے تھے ــــ غرضیکہ ہر طرف تاریکیاں ہی تاریکیاں چھا رہی تھیں۔

آخر رحمتِ حق کو اپنے ہی بنائے ہوئے اِس شاہکار کی رُسوائی پہ ترس آیا، روشنی کی کرن پھُوٹی اور آفتابِ ہدایت طلُوع ہوا ؛

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے جس معاشرہ میں جنم لیا، کوئی نوجوان شعوری یا غیر شعوری طور پر اُس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ مگر آپؐ نے زندگی کے چالیس سال معاشرہ میں اِس حزم و احتیاط سے گذارے کہ اپنے دامنِ کردار پر اُس غلاظت کی ایک چھینٹ بھی نہ پڑنے دی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے اعلانِ نبوّت کے موقع پر سارے عرب کو چیلنج دے کر کہا کہ مَیں نے زندگی کے چالیس سال تمہارے ہی معاشرے میں گذارے ہیں۔ اگر تمھیں میرے عمل میں کہیں بھی کوئی خامی نظر آتی ہے تو نشان دہی کرو۔ دشمنانِ اسلام نے آپؐ کی مخالفت میں ہر حربہ استعمال کیا، مگر پوری تاریخ شاہد ہے کہ وہ آپؐ کے کردار کی کسی خامی پہ اُنگلی نہ رکھ سکے۔ آپؐ کے دشمن اور زبردست مخالف ابوسفیان کو عرب سے باہر ہرقل کے دربار میں بھی آپؐ کے حُسنِ کردار کا اعتراف کرتے ہی بن پڑی ؛

آپؐ نے نہ صرف یہ کہ معاشرے میں رائج اس وقت کی تمام برائیوں سے اپنے دامن کو بچائے رکھا، بلکہ آبادیوں کے شور و غوغا سے دُور غارِ حرا کی تنہائیوں میں اصلاحِ انسانیّت کی تدبیریں سوچتے رہے۔ آخر کار اللہ کی نگاہِ انتخاب آپؐ پر پڑی، وحی نازل ہوئی اور نبوّت کا آخری سہرا آپؐ کے سر بندھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی اصلاح کا حکم ہوا۔ قرآن مجید کی صورت میں انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایک نظامِ حیات اور ایک مکمّل دستور ملا ؛

انسانی گمراہیوں کا اصل سرچشمہ خود انسان کی فکر اور سوچ ہے۔ نظریات و افکار غلط ہوں تو عملی زندگی کی پوری گاڑی غلط راہ پہ پڑ جاتی ہے۔ لیکن اگر نظریات و افکار صحیح ہوں گے تو اُن کی بنیاد پر اٹھنے والی کردار و عمل کی عمارت بھی درست اور پائدار ہوگی۔ اِس لئے آپؐ نے سب سے پہلے انسانوں کے ذہن و فکر میں انقلاب پیدا کیا اور اس طرح آپؐ نے اپنی قوم کی اصلاح کا کام بڑے حکیمانہ اور سائنٹیفک انداز میں شروع کیا مگر ؎

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا ❊ منزل یہی کٹھن ہے، قوموں کی زندگی میں

آپؐ کی مخالفت میں ایک طوفان اُمڈ کھڑا ہوا، گالیاں دی گئیں، نام رکھے گئے، مذاق اُڑایا گیا، الزام تراشے گئے، پتھر مارے گئے، گلیوں اور بازاروں میں گھسیٹا گیا معاشرتی مقاطعہ کرکے فاقوں مارنے کی کوشش کی گئی، آپؐ کے ساتھیوں کو قتل کیا گیا۔ خود آپؐ کے قتل کی سازشیں کی گئیں، کئی قسم کے لالچ دیئے گئے مگر آپؐ کے صبر و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا، اپنے اُصولوں کی خاطر ہر تکلیف اور ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کیا، آپؐ کی امن پسندی اور صلح جوئی کے باوجود آپؐ کو جنگوں پر مجبور کیا گیا۔ اِن جنگوں میں غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق، غزوۂ تبوک اور غزوۂ فتح مکہ شامل ہیں۔ آخر اللہ کا غزوہ فیصلہ کُن ثابت ہوا اور مکّہ کی جس سرزمین سے آپؐ کو آٹھ سال قبل نکلنے پر مجبور کیا گیا تھا، اب اُس میں آپ فاتحانہ انداز میں داخل ہو رہے تھے ـــــ اظہارِ تشکّر کے لئے خدا کے گھر میں سربسجود ہو گئے اور اُسے ایک ایک کرکے اُن تمام بتوں سے پاک کر دیا جو سرداران قریش نے وہاں جمع کر رکھے تھے۔ اِس طرح آپؐ کا اصلاح کا وہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا جو اٹھارہ بیس سال پہلے شروع کیا گیا تھا ـــــ مگر یہ کامیابی صرف ایک زمین کے ٹکڑے یا چند گنتی کے شہروں کو فتح کرنے تک محدود نہ تھی بلکہ آپؐ کی اصل کامیابی یہ ہے کہ آپؐ نے دُنیائے عالم کو:-

(۱) ایک ایسے فلسفہ و نظامِ حکومت سے روشناس کرایا جس کے اجزائے ترکیبی تھے، خالقِ کائنات پر ایمان، عظمتِ انسانی، حُسنِ عمل اور انفرادی مسئولیّت ـــــ !!

(۲) ذہنوں کو ایسی سوچ بخشی جس کا تانا بانا اوہام و ظنون کی بجائے علم و حکمت اور تجربہ و مشاہدہ سے بُنا گیا ؛

(۳) ایک ایسی تہذیب کو جنم دیا، جس کی بنیاد اخلاق و شرافت پر تھی ؛

(۴) ایک ایسے تمدّن کی بنیاد رکھی جس میں سادگی اور پاکیزگی کارفرما تھی ؛

(۵) ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس میں ہر طرف عدل و انصاف، مساوات، اور اخوّت اور باہمی تعاون کی رُوح جاری و ساری تھی۔ جس میں غلاموں کو بیٹوں کا درجہ حاصل ہو گیا۔ عورتوں کو عزّت و آبرو کے اندر مردوں کے برابر حقوق مل گئے۔ رنگ و نسل کے تمام امتیازات مٹ گئے ـــــ !!

(۶) ایک ایسا نظامِ معیشت نافذ کیا جو نہ صرف ہر طرح کے استحصال سے پاک تھا بلکہ اُس میں دولت و سرمایہ کا اکتناز ممکن ہی نہ تھا ؛

(۷) ایک ایسی حکومت کی نیو ڈالی جس کی خصوصیات تھیں۔ شوریٰ، امانت، خدمت اور احساسِ ذمہ داری ؛

اِس طرح عرب کی سرزمین پر ایک مکمل انقلاب برپا کر دیا اور پورے عالم کیلئے اجتماعی زندگی کی ایک بہترین مثال قائم کر دی : اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط لیکن اسلام میں کسی شخص کی PUBLIC LIFE (زندگی کے عوامی پہلو) اور PRIVATE LIFE (زندگی کے نجی پہلو) میں شیطانی حدِّ فاصل قائم نہیں کی گئی۔ بلکہ اسلام میں فرد کی زندگی ایک ناقابلِ تجزیہ و تقسیم وحدت ہے۔ انسان جو کچھ گھر میں ہے وہی کچھ عوام میں بھی ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک آدمی گھر میں تو بد دیانت اور بدخو ہو مگر دوسرے لوگوں کے بارے میں اُس کا کردار نہایت دیانتدارانہ ہو۔ اِس لحاظ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی کردار بھی مثالی ہے ؛

اصلاحی کام شروع کیا تو آپؐ یکہ و تنہا تھے، اعزّہ و اقرباء میں سے کوئی ساتھ دینے والا نہیں تھا، کسی قبیلہ کی پشت پناہی بھی حاصل نہ تھی۔ مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، مخالفتوں کے طوفان اُٹھ کھڑے ہوئے، جان کے لالے پڑ گئے، سبز باغ دکھائے گئے مگر آپؐ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اور فرمایا کہ یہ لوگ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج رکھ دیں تو بھی میں اپنی راہ سے نہ ہٹوں گا۔ اس طرح ثابت قدمی اور عزم و ہمت کی ایک انوکھی مثال پیش کی ؛

عفو و درگذر کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ گالیوں اور پتھروں کا جواب دعاؤں سے دیا۔ جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو انتقام لے سکنے کے باوجود بیک جُنبشِ لب یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ "جاؤ تم سب کو معاف کر دیا۔ میں تمھیں تمھاری ایذا رسانیوں پر تمھیں ملامت بھی نہیں کروں گا!" — عقیدت مندوں کے دل میں بستے تھے مگر جب اُن میں مل کر بیٹھتے یا اُن سے مل کر چلتے تو بغیر کسی پیشوایانہ انداز و امتیاز کے حتیٰ کہ اجنبی لوگوں کے لئے پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ آپؐ رحمۃ للعالمین، رفیقِ مراد اور مُصلح تھے، جانثار

اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے تھے مگر ہمیشہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مزدوروں کی طرح کام کیا، پتھر ڈھوئے، ایندھن جمع کیا، کھدائی کی اور اینٹیں اُٹھائیں ۔ سپہ سالار تھے، سارے عرب کو فتح کیا، بڑے بڑے معرکے سر کئے مگر دل کے اتنے نرم کہ انسان تو انسان، جانوروں پر سختی دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے سارے عرب پر حکومت کی مگر زندگی کچے حجروں میں بسر کردی۔ والٹیئر کا مقولہ ہے:

"NO ONE IS A HERO TO HIS VALET."

(یعنی کوئی شخص اپنے قریبی لوگوں کے نزدیک ہیرو نہیں بن سکتا!) کیونکہ وہ اُس کے ایسے عیوب سے بھی آگاہ ہوتے ہیں جن پر دوسروں کی نظر نہیں پڑتی مگر سُورن سمتھ کہتا ہے کہ یہ مقولہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہیں آتا کیونکہ جو شخص جتنا زیادہ آپؐ کے قریب تھا وہ اتنا ہی زیادہ آپؐ کا گرویدہ تھا ۔

"حضرت عائشہ صدیقہؓ جن کی عفت کی شمع جناب باری تعالیٰ نے خود اپنے نورانی ہاتھوں سے آئینۂ تطہیر کے فانوسِ عفاف میں روشن کی ہے، ایک دفعہ حضور سرورِ کائنات مفخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق کے بارے سوال کیا گیا جناب صدیقہؓ نے اس کا کیا بلیغ جواب ارشاد فرمایا ہے کہ اُن کے اخلاق دیکھنے ہوں تو قرآن مجید کے اوراق کا مطالعہ کرو!" (روزنامہ زمیندار) ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپؐ کی رفیقۂ حیات تھیں، آپؐ کے ظاہر و باطن کا کوئی گوشہ اُن سے پنہاں نہ تھا مگر مختصر الفاظ میں آپؐ کی بلند کرداری پر کتنا جامع اور فصیح و بلیغ انداز میں تبصرہ کیا ہے کہ "کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآن!" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عین قرآن تھے ۔

مختصر یہ کہ اُس ہستی (فداہ ابی و امی) کے اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کا احاطہ ممکن نہیں، جس کے بارے میں خود خالقِ کائنات نے شہادت دی کہ:۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ اور جس کی حیاتِ طیبہ کو یہ کہہ کر ہمارے لئے مثالی نمونہ قرار دیا کہ:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ط

(صلی اللہ علیہ وسلم)

قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین رح

تالیف: امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح
کی ایک اہم فصل

مآثر جمیلہ حضرتِ ذی النورین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ:- پروفیسر یوسف سلیم چشتی مدظلہ

---

(۱) ان میں سے پہلی صفت یا خوبی یہ ہے کہ وہ اشرافِ قریش میں سے تھے۔ بیضا بنت عبدالمطلب جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی تھیں، وہ اُن کی حقیقی نانی تھیں۔

(۲) انہوں نے جاہلیّت میں بھی شراب نوشی اور زنا کا اِرتکاب نہیں کیا تھا۔ اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی عقلِ کامل کی بنائپر اِن باتوں سے متنفر تھے۔

(۳) وہ اُس جماعت میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئی تھی جس کا ذکر مناقب حضرت صدّیقِ اکبرؓ میں گذر چکا ہے۔

(۴) اسلام لانے کے بعد اُن کے چچا نے اُنہیں بہت ایذا دی، مگر وہ ثابت قدم رہے ــــــ!!

(۵) اِس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں دامادی کا شرف عطا کیا۔

(۶) پھر انہوں نے اللہ کی راہ میں سُوئے حبشہ ہجرت فرمائی۔

(۷) اِس کے بعد انہوں نے مدینے ہجرت فرمائی۔

(۸) آپ اس جماعت میں شامل ہیں جس نے قرآن مجید جمع کیا۔

(۹) بدر اور اُحد اور بیعتِ حُدیبیہ کے علاوہ تمام غزوات میں حصّہ لیا۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اِن تینوں اُمور میں انہیں حیرت انگیز شرف حاصل ہوا۔ مثلاً جنگِ بدر میں اپنی زوجہ محترمہ بنتِ رسولؐ کی شدید علالت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ اِسی لئے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے فرمایا کہ اے عثمانؓ! تمھیں اس شخص کے برابر اجر اور غنیمت میں حصّہ ملے گا جو شریکِ جنگ ہوا ہو۔ اب رہا اُحد کا معاملہ تو اللہ نے وحی نازل فرمائی کہ ہم نے تمھارا قصور معاف کر دیا (لقد عفا اللہ عنہم) اور بیعتِ حُدیبیہ کے موقع پر، خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں ایک خاص مصلحت کے تحت مکّے بھیجا تھا (کیونکہ وہ اکابرِ قریش میں محترم تھے!) اور یہ بیعت اُن کی غَیبت میں واقع ہوئی تھی۔ اس لئے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: "چونکہ عثمانؓ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی حاجت پوری کرنے گئے ہیں۔ اس لئے میرا بایاں ہاتھ، حضرت عثمانؓ کا ہاتھ ہے"۔ یعنی حضورؐ نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا۔

(۱۰) انہوں نے یہودی سے بئرِ رومہ (کنواں) خرید کر مدینے کے مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ اور یہ اتنا بڑا احسان ہے، جس کا اجر قیامت تک اُن کو ملتا رہے گا[1]

(۱۱) جیشِ عسرت (بموقع مہمّ تبوک) کی تجہیز میں اُن سے نمایاں فضیلت ظاہر ہوئی۔ چنانچہ اُن کی غیر معمولی فیّاضی اور انفاق فی سبیل اللہ سے خوش ہو کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسجدِ نبوی میں تمام صحابہؓ کے سامنے فرمایا کہ: "آج کے بعد سے تادمِ وفات عثمانؓ کا کوئی عمل اُن کو ضرر نہیں پہنچائے گا۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال اُن سے کوئی گناہِ کبیرہ سرزد ہو جائے تو بھی اللہ معاف کر دے گا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کی راہ میں غیر معمولی ایثار اور انفاق کیا ہے!)

---

[1] حضرت مصنف نے اِس کی تفصیل نہیں لکھی اِس لئے مَیں مختصراً لکھتا ہوں کہ مدینے میں میٹھے پانی کا صرف یہی ایک کنواں تھا، جو ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ جب اُس نے مسلمانوں کو پانی بھرنے سے منع کر دیا تو حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا جو شخص اِس کنوئیں کو خرید کر مسلمانوں، خصوصاً غریبوں پر کرم کرے گا۔ مَیں اُس کی جنّت کا ضامن ہوں۔ اِس پر حضرت عثمانؓ نے ۳ھ میں اس یہودی سے کنواں خرید کر مسلمانوں پر احسانِ عظیم کیا۔

(۱۲) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دن فرمایا جو شخص مسجدِ نبوی کی توسیع کریگا تو اللہ اُسے جنّت عطا فرمائے گا، اور وہاں اسے اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ یہ سُن کر حضرت عثمان رضؓ نے دس ہزار درہم میں ملحقہ زمین ایک انصاری سے خرید کر مسجدِ نبوی میں شامل کر دی۔ (طبرانی)

(۱۳) جیشِ عسرت (مہم تبوک ۹ھ) کو ضروری سامان مہیّا کیا۔ اِس سلسلے میں نو سو پچاس اُونٹ مع سازوسامان پیش کئے اور پچاس گھوڑے مع سازوسامان دے کر ایک ہزار پورے کر دیئے (ان کے علاوہ ہتھیار بھی دیئے اور کئی سو دینار نقد بھی چندے میں دیئے[۱])

(۱۴) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کوہِ ثبیر سے فرمایا: "ساکن ہو جا اے پہاڑ! کیونکہ اِس وقت تیری چوٹی پر ایک نبی ہے، ایک صدّیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (دو شہیدوں سے اشارہ ہے حضرت فاروقِ اعظم رضؓ اور حضرت امامِ مظلوم سیّد الشّہداء حضرت عثمان غنی رضؓ کی طرف)

(۱۵) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے گواہی دی کہ بوقت فتنہ یہ شخص (حضرت عثمان غنی رضؓ) حق پر ہوگا۔ نیز فرمایا: "اے عثمان! مجھے یقین ہے اللہ تمھیں ایک قمیص پہنائے گا (اشارہ بجانب خلافتِ نبوّت) تو اگر کچھ لوگ تم سے یہ کہیں کہ اس قمیص کو اُتار دو (اشارہ بجانب خلع عن الخلافۃ) تو ہرگز مت اُتارنا۔ (چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا)

(۱۶) حضرت عثمان غنی رضؓ در حدِّ ذاتِ خود، حیا سے متصف تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا: "کیا میں ایسے شخص سے حیا نہ کروں، جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں؟" حضور کے اِس ارشاد میں بڑی گہرائی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی منصف حضرت عثمان رضؓ کے حالاتِ زندگی میں تدبّر اور تأمّل کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ہر مرتبہ جب بھی فتنہ برپا ہوا (اور فتنہ آخر عہدِ خلافت میں کئی سال برپا رہا) تو حضرت عثمان رضؓ نے دشمنوں سے انتقام لینے کے بجائے اپنا ہی خونِ جگر پیا اور اُن کی ایذا رسانی

---

[۱] ـــــــ : اس موقع پر سیّد الشّہداء حضرت عثمان رضؓ نے سب صحابہ رضؓ سے زیادہ امداد کی۔ لیکن حضرت صدّیقِ اکبر رضؓ کو فضیلت اس لئے حاصل ہوئی کہ انہوں نے اپنا سارا اثاثہ حضور صلعم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا، اور اہل و عیال کے لئے ایک درہم بھی نہیں چھوڑا تھا۔

پر (اُن سے انتقام لینے کے بجائے) صبر اور درگذر سے کام لیا اور یہ بات اُسی وقت ممکن ہو سکتی ہے، جب کسی شخص کو اپنے نفسِ امّارہ پر کامل اختیار حاصل ہو۔ تو شارع علیہ السّلام نے بہت غور و خوض کے بعد اس ضبطِ نفس اور صبرِ عظیم کو لفظِ "حیا" سے تعبیر فرمایا۔ نیز حضرت عثمانؓ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حمران سے منقول ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا جبکہ حضرت عثمانؓ غسل نہ کرتے ہوں، کیونکہ وہ طبعاً طہارت پسند تھے۔ نیز وہ عموماً روزہ رکھتے تھے، صلوٰۃِ لیل (تہجّد) کے پابند تھے۔ غلاموں کے آزاد کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے سلسلے میں اُنہیں اللہ نے مرتبۂ کامل عطا فرمایا۔ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علم کی اشاعت میں ان کا مرتبہ اور حصّہ یہ تھا کہ انہوں نے ساری دنیا کے مسلمانوں کو ایک مصحف (قرآن) پر جمع کر دیا اور جو مصلحت اور خیر خواہی اس امرِ عظیم میں متحقّق ہے، وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ نیز انہوں نے قرآن مجید کی روایت کی، چنانچہ بعض قُرّاء کا سلسلہ اُن پر منتہی ہوتا ہے۔ نیز انہیں اشاعتِ اسلام اور مسلمانوں کی مرفّہ الحالی میں مرتبۂ ادنیٰ نصیب ہوا۔ اُن کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کی حکومت کو بہت وسعت حاصل ہوئی۔ مشرق میں افغانستان سے لے کر مغرب میں الجزائر تک پرچم ہلال کو سربلندی نصیب ہوئی۔ رُوم کی سمت میں مسلمانوں کی حکومت قسطنطنیہ تک پہنچ گئی۔ پس اُن کی خلافتِ نبوّت دونوں پہلوؤں سے درست ثابت ہو گئی (وُسعتِ فتوحات اور اشاعتِ اسلام) نیز اُن کے دل میں خوفِ خُدا اس قدر تھا کہ جب وہ کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو رقّتِ قلب کی وجہ سے گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُن کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے پُوچھا کہ جب جنّت اور دوزخ کا تذکرہ ہوتا ہے تو آپ نہیں روتے اور کسی قبر پر گذر ہوتا ہے تو رونے لگتے ہیں؟ یہ سُن کر آپؓ نے جواب دیا کہ مَیں نے خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا ہے کہ آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے۔ اگر اس منزل میں کسی کی نجات ہو گئی تو آئندہ منزلیں آسان ہو جاتی ہیں، اور اگر پہلی منزل میں نجات نہ ہو سکی تو پھر بہت سختی دیکھے گا۔ نیز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مَیں نے قبر سے زیادہ دہشتناک

منظر اور کوئی نہیں دیکھا (ترمذی) نیز اُن کے فضائل میں یہ ہے کہ وہ بلاشبہ کبار مہاجرین میں سے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ہم پلّہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان کی طرف مائل ہوئے اور آپؐ نے انہیں اپنے گلے لگایا (معانقہ) اور کہا: "اے عثمان! تم دُنیا میں بھی میرے دوست ہو اور آخرت میں بھی میرے دوست ہوگے۔ نیز آپؐ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا کہ: "کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کا رفیق جنّت اُس کی اُمّت میں سے کوئی نہ ہو۔ چنانچہ جنّت میں میرے رفیق حضرت عثمانؓ ہوں گے!" کثیر بن الصلت نے کہا کہ جس دن حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اس کی صبح کو وہ بیہوش ہوگئے۔ جب وہ ہوش میں آئے تو انہوں نے فرمایا کہ: "اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ عثمانؓ (خود) فتنے کی تمنّا کرتے تھے تو میں تم سے ایک بات کہتا!" لوگوں نے کہا: "آپ ہم سے ضرور کہیں، ہم آپ کے بارے میں یہ گمان نہیں کرتے!" اس پر انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عثمانؓ! آج جمعے کی نماز ہمارے ساتھ جنّت میں پڑھنا۔ ابن عُمرؓ ان کے راوی ہیں کہ جب صبح کو حضرت عثمانؓ بیدار ہوئے تو فرمایا کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عثمانؓ! آج شام کو ہمارے ساتھ جنّت میں روزہ افطار کرنا!" پھر فرمایا اسی لئے میں نے آج روزہ رکھ لیا ہے۔ (اخرجہ الحاکم)

بقیہ عرض احوال

کر رہی ہے۔ توقع ہے کہ یہ تیس تقاریر چھ کیسٹوں میں آجائیں گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حقیر کوششوں کو شرفِ قبولیّت عطا فرمائے۔ اور ان کو ڈاکٹر صاحب کے لئے اور اُن حضرات کے لئے جو اس کام میں تعاون کر سکتے ہیں، توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یا ربّ العٰلمین!

Regd. No. 7360

MONTHLY MEESAQ LAHORE

Vol. 28 | July 1979 | No. 7

احباب کے شدید تقاضے پر

سیرت و تاریخ کے موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیم اسلامی ، کی

۱۰ تقاریر کے TAPES

C-90 کے گیارہ CASSETTES کے SETS کی صورت میں تیار کرا لیے گئے ہیں

جن کی بڑی تعداد پیشگی قیمت جمع کرانے والے حضرات کو دی جا چکی ہے اور اب صرف ایک محدود تعداد دستیاب ہے ۔

ہر سٹ کی قیمت صرف لاگت کے مطابق -/۲۵۰ روپے ہے بذریعہ ڈاک منگانے والوں کو دس روپے محصول ڈاک خرچ کرنا ہوگا ۔

منگانے کا پتہ

ناظم اعلیٰ ، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶ ۔ کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور

(فون : 852683—852611)

پرنٹر : چوہدری رشید احمد — مطبع : مکتبہ جدید پریس ، شارع فاطمہ جناح لاہور